مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ

الامداد

لاہور

شوال ۱۴۴۲ھ

جون 2021ء

سلسلہ تبلیغ نمبر 319

خیر الحیات وخیر الممات

بہترین زندگی اور بہترین موت (قسط دوم)

دفتر ماہنامہ الامداد
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
291۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون 35422213,35422206 فیکس 042-35433049
www.darululoomislamia.org

اجراء حسب ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | شوال ۱۴۴۲ھ | جون ۲۰۲۱ء | شمارہ ۶

خیر الحیات و خیر الممات

بہترین زندگی اور بہترین موت (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی۔

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے | زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

خیر الحیات و خیر الممات

(بہترین زندگی اور بہترین موت) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ، بمقام مکان موقوفہ حضرت حکیم الامتؒ تھانہ بھون حضرت والا نے ارشاد فرمایا جس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا مردوں کے علاوہ سامعین میں ۶۵ مستورات بھی تھیں۔ حقیقت موت کو بیان کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''موت کے متعلق لوگوں کے عقائد صحیح نہیں۔ اگر موت کے متعلق عقیدہ درست کرلیا جائے تو یہ خوف بہت کم ہوجائے گا۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مرکر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا جا پڑتا ہے اور تمام لذّات سے محروم ہوجاتا ہے۔ سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ یاد رکھو کہ موت صرف جسم عنصری سے منقطع ہوجاتا ہے'' طاعون اور وبائی امراض سے چونکہ موت کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے آدمی گھبراتا ہے جس کا سبب حق تعالیٰ سے بے تعلقی ہے اس کا علاج اللہ سے محبت پیدا کرنا ہے جس کا طریقہ اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ اور کثرت ذکر ہے اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۱/۱۲/۲۰۲۰

خیر الحیات و خیر الممات

(بہترین زندگی اور بہترین موت) قسط دوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	عشق حقیقی اور عشق مجازی کے بعد آثار متحد ہیں..........	۹
۲..........	ایک اہل محبت بزرگ کی موت کے وقت حالت........	۱۰
۳..........	حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ پر کسی مرید کے اشعار پڑھنے کی حکایت..................	۱۱
۴..........	سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کے جنازہ کا حال......	۱۱
۵..........	حضرت حافظ محمد ضامن شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والے کی حکایت..................	۱۲
۶..........	ایک بزرگ کا اپنی والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنا..........	۱۲
۷..........	اہل محبت کی موت..................	۱۳
۸..........	اہل محبت کا مقام اور حال..................	۱۴
۹..........	حکایت حضرت قاضی محمد یحییٰ ابن اکثمؒ..................	۱۴
۱۰..........	ایک عاشق مجذوب کی سفرِ حج کی حکایت..................	۱۵
۱۱..........	بعض اولیاء اللہ کا اعلیٰ مقام..................	۱۶
۱۲..........	حضرت سید صاحب کا مقام..................	۱۶
۱۳..........	حضرت سلطان جی کے سفر کی ایک حکایت..................	۱۷

۱۴.......... ایک مسخرہ کی مغفرت کی حکایت.......... ۱۷
۱۵.......... قیامت میں اہل محبت کا حال.......... ۱۸
۱۶.......... اہل محبت کو وحشت نہیں ہوتی.......... ۱۹
۱۷.......... دُنیوی معاملات بزرگوں کے ذمہ لگانا ان کی بے ادبی ہے.......... ۱۹
۱۸.......... ذکر مع الوسواس کا اثر.......... ۲۰
۱۹.......... نان وحلوا کا مصنف سنی نہیں ہے.......... ۲۰
۲۰.......... فکرِ آخرت کی ضرورت.......... ۲۱
۲۱.......... دوام کی ایک صورت.......... ۲۱
۲۲.......... حق تعالیٰ شانہٗ کا بے انتہا رحم وکرم.......... ۲۲
۲۳.......... حضرت غوث اعظم کی ایک حکایت.......... ۲۳
۲۴.......... بعض کفار کے توفیق اسلام کا سبب صلہ رحمی ہوتا ہے.......... ۲۴
۲۵.......... کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے.......... ۲۵
۲۶.......... مراقبہ، انعامات واحسانات خداوندی کے لیے ایک چلہ کی ضرورت.......... ۲۵
۲۷.......... راہ چلنے سے حجابات اُٹھتے جائیں گے.......... ۲۶
۲۸.......... سچی طلب کا اثر.......... ۲۷
۲۹.......... شیطان کی چالیں کمزور ہوتی ہیں.......... ۲۸

۳۰.........	شیخ کامل کی ضرورت..................	۳۰
۳۱.........	اہل اللہ کا فیض عام..................	۳۰
۳۲.........	تفسیر آیات متلوہ..................	۳۱
۳۳.........	مال وجان کی قربانی کی ضرورت..................	۳۴
۳۴.........	سات سو سے زائد تضاعف کا ذکر..................	۳۵
۳۵.........	تضاعف فوق المتعارف..................	۳۶
۳۶.........	تضاعف نفس پر دلیل..................	۳۸
۳۷.........	موت سے فرار ناممکن ہے..................	۴۰
۳۸.........	علاج کی دو قسمیں..................	۴۳
۳۹.........	ایک ذہین بچہ کی حکایت..................	۴۴
۴۰.........	طبائع کو دافع مرض بنانے کا نبوی نسخہ..................	۴۵
۴۱.........	حکایت مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم..................	۴۶
۴۲.........	طریق حصول محبت الٰہی..................	۴۷
۴۳.........	ازالہ بلا کا ایک ورد (کرونا سے بچاؤ کا وظیفہ)..................	۴۸
۴۴.........	الملفوظات المسمّٰی بہ الطاعون لمن فر من الطاعون..................	۴۹
۴۵.........	اصل دافع مرض طبیعت ہے..................	۴۹
۴۶.........	قوت قلب کا اثر..................	۵۰
۴۷.........	اہل طاعون مثل شہداء..................	۵۱

۴۸.......... شیطان سے بچنے کی صورت.......................... ۵۳

۴۹.......... وساوس کا علاج.......................... ۵۳

۵۰.......... وباء میں اذان دینے کا حکم.......................... ۵۴

۵۱.......... مقام طاعون میں جانے سے مفسدہ.......................... ۵۴

۵۲.......... طاعون میں دو حیثیتیں.......................... ۵۵

۵۳.......... خلاصہ کلام.......................... ۵۶

۵۴.......... اخبار الجامعہ.......................... ۵۷

گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (حکایت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ) تھا

عشق حقیقی اور عشق مجازی کے بعد آثار متحد ہیں

والعشاق یفسر بعضھم بعضا (اور عشاق میں بعض بعض کا بیان کرتا ہے)

اس کی شرح میں ابن عطاء نے ایک عاشق کا قصہ لکھا ہے کہ اس کو کسی سے محبت تھی اس کی اطلاع محبوب کے اقارب ولواحق کو ہوئی تو انہوں نے اس کے سو درے (۱) لگائے ننانوے دروں تک تو اس نے ایک بھی آہ نہ کی اس کے بعد جو ایک درہ لگا تو اس نے آہ کی کسی نے ملامت کی کہ تو نے ننانوے دروں تک تو تحمل کرلیا (۲) اخیر میں ایک درہ کا تحمل نہ ہوسکا کہنے لگا تجھ کو اس کا سبب معلوم نہیں۔ بات یہ ہے کہ ننانوے دروں تک تو محبوب مجھے اور میری اس حالت کو دیکھ رہا تھا تو اس وقت مجھے یہ حظ (۳) آرہا تھا کہ ہاں محبوب دیکھ رہا ہے کہ اس کی محبت میں میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جارہا ہے اس حظ نے الم ضرب (۴) کو محسوس نہ ہونے دیا جب ننانوے درے لگ چکے تو چلا گیا اس وقت مجھے ضرب کا احساس ہوا اس لیے اخیر درہ پر آہ کی اور گو یہ واقعہ عاشق مجازی کا ہے مگر عشق حقیقی اور مجازی کے بعض آثار متحد ہیں کیونکہ عشق تو دونوں جگہ مشترک ہے اس لیے ایک سے دوسرے کی تفسیر ہوسکتی ہے اور یہی تو وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ مراقبہ تعلیم فرمایا ہے وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (۵) اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کئے رہو (اور استقلال سے جمے رہو) کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اسی واسطے بڑھایا ہے تاکہ آپ پر کفار کی ایذائیں آسان ہوجائیں اور ان سے بجائے کلفت کے لذت حاصل ہو بتلادیا کہ جو کچھ آپ کے ساتھ برتاؤ ہورہا ہے ہم سب دیکھ رہے ہیں اس مراقبہ کا یہ اثر لازمی ہے کہ کلفت مبدل بہ لذت (۶) وراحت ہوجائے گی یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر مکروہ اور ناگوار چیز موت ہے مگر عشاق کو وہ بھی لذیذ ہوجاتی ہے عارف شیرازی فرماتے ہیں:

---

(۱) سو کوڑے مارے (۲) برداشت کیا (۳) مزا آرہا تھا (۴) اس مزے نے مار کی تکلیف کا احساس نہ ہونے دیا (۵) سورۃ الطور: ۴۸ (۶) پریشانی لذت سے بدل جائے۔

خرم آن روز کزیں منزل ویراں بردم　　راحت جاں طلبم وزپے جاناں بردم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تادر میکد شادان و غزلخواں بردم (۱)

ایک اہل محبت بزرگ کی موت کے وقت حالت

ایک دوسرے بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مرنے لگے تو خوش ہو ہو کر یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　جسم بگذارم سراسر جاں شوم (۲)

رہا یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا اس کے متعلق قطعی دلیل تو سوائے حدیث وقرآن کے اور کیا ہوسکتی ہے اور حدیث وقرآن میں عام مسلمانوں کے لیے اور خصوصاً اہل محبت کے لیے جو کچھ بشارتیں وارد ہیں وہ ظاہر ہیں لیکن وہ عام ہیں کسی خاص شخص کے متعلق حدیث وقرآن میں تفصیل وارد نہیں کہ کس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا (بجز چند صحابہ کے جن کے متعلق احادیث میں تعیین کے ساتھ بھی کچھ وارد ہے) ہاں خاص طور پر بزرگوں کے واقعات بہت منقول ہیں جو قطعی تو نہیں ہیں ظنی ہیں مگر حسن ظن اور پھر تواتر معنوی (۳) یہ کہتا ہے کہ وہ واقعات صحیح ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل محبت مرنے کے بعد بھی ایسے مطمئن ہونے اور کس درجہ چمن میں ہوتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے جنازہ کے ساتھ ایک شخص خوش الحانی سے یہ شعر پڑھتا ہوا جائے:

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شیئا للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بردست و بر بازوئے تو (۴)

---

(۱) جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے راحت جان طلب کروں اور محبوب حقیقی کے پاس جاؤں۔ میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں" (۲) "اب وہ وقت آگیا کہ میں عریاں ہو کر جسم کو چھوڑ کر سراسر جان بن جاؤں" (۳) خبر متواتر ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کے نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہوں جن کو عقل جھوٹا نہ سمجھے (۴) "آپ کے دربار میں مفلس ہو کر آئے ہیں، اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ عنایت کیجئے ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھائیے آپ کے دست وبازو پر آفریں ہے"۔

آخر یہ بزرگ پاگل اور بے وقوف تو نہ تھے جو بلاوجہ ایسی وصیت کردی آخر کوئی بات تو تھی ان کو کچھ تو اطمینان تھا اور مرنے کے بعد ان اشعار سے کچھ تو حظ (۱) حاصل ہونے کی توقع تھی جو ایسی وصیت کی۔

حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ پر کسی مرید کے اشعار پڑھنے کی حکایت

اسی طرح حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کے ساتھ کسی مرید نے غلبہ محبت میں بار بار یہ شعر پڑھا۔

سرو سیمینا بصحرا میروی　　　سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشا می روی (۲)

اس کا یہ اشعار پڑھنا تھا کہ سلطان جی کی نعش کو وجد ہوا اور ہاتھ کفن سے باہر اونچا ہو گیا اس پر لوگوں نے اس مرید کو خاموش کیا کہ یہ کیا غضب کرتے ہو قیامت برپا ہو جائے گی جنازہ کے ساتھ خاموشی سے چلو غرض تھوڑی دیر میں سکون ہوا اور ہاتھ بدستور کفن کے اندر ہو گیا۔ دیکھئے اہلِ محبت کو موت کے بعد بھی کیسی بے فکری حاصل ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی وجد و حال باقی رہا۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کے جنازہ کا حال

ہمارے حاجی صاحب نے وصیت کرنا چاہی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ ذکر جہر ہوتا چلے مگر مولوی اسماعیل صاحب نے اختلاف کیا اور کہا حضرت یہ ایک نئی بات ہے کہیں رفتہ رفتہ بدعت کا دروازہ مفتوح (۳) نہ ہو جائے حضرت نے فرمایا بہت اچھا جیسی رائے ہو جب جنازہ لیکر چلے تو سب لوگ خاموش چل رہے تھے کہ ایک عرب نے کہا مالکم ساکتین اذکروا اللہ خاموش کیوں چل رہے ہو خدا تعالیٰ کو یاد کرو۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ بے اختیار سارا مجمع ذکر جہر کرنے لگا۔ مولوی اسماعیل صاحب کہنے لگے کہ میں نے

---

(۱) مزہ آنے کا احتمال تھا۔ (۲) "اے محبوب آپ صحرا میں جا رہے ہیں سخت بے مہری کہ بغیر ہمارے جا رہے ہیں اے محبوب! آپ کا رخِ انور جہان کا تماشا گاہ ہے آپ تماشہ کے لیے کہاں جا رہے ہیں" (۳) بدعت کا دروازہ نہ کھل جائے۔

تو حضرت کو اس امر کی وصیت سے روک دیا تھا۔ مگر اس کو کون روک دیتا۔ حق تعالیٰ نے حضرت کی مراد خود پوری فرمادی۔ یہ تو مرتے ہوئے اہل محبت کی حالت تھی اب مرنے کے بعد قبر میں ان کی حالت سنئے۔

حضرت حافظ محمد ضامن شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والے کی حکایت

ہمارے یہاں ایک بزرگ موجود ہیں حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے مزار پر ایک صاحب کشف فاتحہ پڑھنے لگے جو صاحب مزار کو جانتے نہ تھے جب فاتحہ پڑھ چکے تو کہنے لگے بھائی یہ کون بزرگ ہیں یہ تو بڑے دل لگی باز ہیں میں نے جو فاتحہ پڑھنے کا قصد کیا تو فرمایا میاں جاؤ کسی مردہ پر پڑھو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے۔ لوگوں نے کہا یہ بزرگ شہید ہیں کہا ہاں جبھی تو اپنے کو زندہ کہتے ہیں کیونکہ شہداء قبر میں زندہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ زندہ دل بھی ہیں بعضے اولیاء نے غلبہ عشق میں فاتحہ وایصال ثواب سے استغناء بھی ظاہر کیا ہے ان کو اس کی پروا نہیں ہوئی کہ ہمیں کوئی کچھ پڑھ کر ثواب بخشے جیسے مولانا نیاز فرماتے ہیں:

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز　　عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست (۱)

یہ نیاز ہو کر بھی ایسے بے نیاز بنتے ہیں (اس وقت نیاز محمد خان حضرت کے خادم سامنے تھے وہ اپنا نام سن کر ہنس رہے تھے اور حضرت نے بھی ان کی طرف اشارہ کر کے کچھ فرمایا جو مجھے یاد نہیں نہ نوٹ ہو سکا ۱۲ جامع) مگر یہ غلبہ حال ہے اور جن پر کمال عبدیت غالب ہے وہ یوں کہتے ہیں جیسے عارف شیرازی فرماتے ہیں:

اے کہ برما میروی دامن کشاں　　از سر اخلاص الحمدے بخواں (۲)

ایک بزرگ کا اپنی والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنا

ایک دوسرے بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جایا

---

(۱) "نیاز مخلوق سے ہم کو فاتحہ کی طمع نہیں ہے میرا عشق میرے بعد فاتحہ خواں ہے" (۲) "اے وہ شخص جو دامن جھاڑتے ہوئے گزر گیا ذرا ایک مرتبہ اخلاص سے سورۃ الفاتحہ پڑھتے جانا"۔

کرتے تھے تو ایک دن ان کی والدہ نے قبر میں سے ان کے ساتھ کلام کیا اور کہا بیٹا تم یہاں آتے ہی فوراً تلاوت قرآن نہ شروع کیا کرو کیونکہ قرآن کے انوار تم کو اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ میں تمہاری صورت نہیں دیکھ سکتی بلکہ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر تلاوت شروع کیا کرو تاکہ میں تم کو جی بھر کر دیکھ لیا کروں۔ دیکھئے ان بزرگ کی والدہ کو وہاں برزخ میں کچھ تو اطمینان وراحت تھی جو ایسی بات کہی اب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس مردہ یوں ہی مٹی کا ڈھیر ہو کر قبر میں پڑا رہتا ہے یہ غلط ہے بلکہ عالم برزخ میں مومن صالح کی روح کو دنیا سے بھی زیادہ راحت واطمینان نصیب ہوتا ہے ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کتابوں میں لکھی ہے کہ جب ان کے مرنے کا وقت آیا تو آٹھوں جنتیں ان کے سامنے کردی گئیں "تجلت له الجنان الثمانية" (آٹھوں جنتیں ان کے سامنے کردی گئیں) ان کو دیکھ کر آپ نے منہ پھیر لیا اور کہا:

ان كان منزلتى فى الحب عندكم ماقد رأيت فقد ضيعت ايامى (۱)

اگر میری محبت کی آپ کے یہاں یہی قدر ہے تو میں نے اپنے دن ہی ضائع کئے جو اہل کشف اس وقت موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ جنتیں فوراً محجوب ہوگئیں اور ایک خاص تجلی ہوئی جس کے ساتھ ابن الفارض کی روح بھی پرواز کرگئی۔

اہل محبت کی موت

صاحبو! اہل محبت کی موت اس طرح ہوتی ہے بے فکری اور اطمینان کے ساتھ پھر وہ موت سے ڈریں گے یا اس کے مشتاق ہوں گے ابن الفارض کے اس قصہ پر شیخ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا اور کہا ہے کہ یہ جنتوں کے مکشوف ہونے پر ان کا اعراض کرنا اور یہ شعر پڑھنا جتلاتا ہے کہ یہ کسی جہل میں مبتلا تھے جس میں مرتے دم تک مبتلا رہے نہ معلوم وصال حق کی حقیقت انھوں نے کیا سمجھی جو جنتوں سے اعراض کیا اور ان کے انکشاف کو تضییع (۲)

(۱) "اگر محبت میں میرا مرتبہ تمہارے نزدیک یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنا وقت ضائع ہی کیا"

(۲) وقت ضائع کرنا کہا۔

اوقات کہا اگر میرے دل میں شیخ ابن القیم کی عظمت نہ ہوتی تو میں اس اعتراض کا جواب نہایت سخت دیتا لیکن میں ان کو بھی عاشق سمجھتا ہوں اور زاہدان خشک میں سے نہیں سمجھتا اس لیے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا کہ ابن القیم بھی عاشق ہیں اور ابن الفارض بھی عاشق ہیں ہم کو دونوں کا ادب کرنا چاہیے نہ ان پر اعتراض کرنا چاہیے نہ ان پر۔

اہل محبت کا مقام اور حال

ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ اہل محبت کا مقام اور حال الگ الگ ہوتا ہے ایک عاشق دوسرے کے مقام کو بعض دفعہ نہیں سمجھتا اس لیے اعتراض کر دیتا ہے میرے خیال میں شیخ ابن القیم نے ابن الفارض کے مقام کو سمجھا نہیں ہے ورنہ ابن الفارض کی حالت اس سے ارفع ہے کہ دو مرتے دم تک کسی جہل میں مبتلا رہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ ان کا یہ قول غلبہ حال اور غلبہ سکر میں بطور ادلال کے صادر ہوا ہو بہر حال ہم دونوں کا ادب کرتے ہیں اور ان سے بھی یہی کہتے ہیں کہ آپ بھی باہم ایک دوسرے کا ادب کیجیے۔

حکایت حضرت قاضی محمد یحییٰ ابن اکثم

اور سنیے قاضی یحییٰ ابن اکثم رحمۃ اللہ علیہ جو بخاری کے شیوخ میں سے ہیں جب ان کا وصال ہو گیا تو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہیے آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا کہا مجھے حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا اور وہاں سے سوال ہوا یا شیخ السوء عملت کذا یوم کذا و عملت کذا یوم کذا۔ ارے برے بڈھے۔ بتلا تو نے فلانے دن یہ عمل کیا اور فلانے دن یہ کیا۔ جواب دے۔ میں اس سوال پر حیران ہو کر خاموش کھڑا رہا تو سوال ہوا ارے بڈھے بولتا کیوں نہیں، خاموش کیوں کھڑا ہے؟ میں نے عرض کیا الٰہی! میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا وہ کیا میں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ معلوم ہوا تھا آج میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے ساتھ اس کے خلاف برتاؤ ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا تجھ کو کیا معلوم ہوا ہے میں نے عرض کیا حدثنا فلان عن فلان

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یستحی من ذی الشیبۃ المسلم (۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت میرے ساتھ برعکس معاملہ ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے راوی بھی سچے اور ہمارا رسول بھی سچا۔ جاؤ آج ہم تم کو محض بڑھاپے ہی کی بدولت بخشتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔ اور قاضی یحییٰ بن اکثم نے بھی کیسی ہمت کی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی حدثنا فلان عن فلان باقاعدہ سند کے ساتھ حدیث بیان کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ ہوا نہیں ہے کہ وہاں جا کر ہوش وحواس گم ہو جائیں گے بلکہ جس طرح یہاں بے تکلف باتیں کرتے ہیں ایسے ہی وہاں بھی کریں گے خصوصاً اہل محبت تو بہت ہی آزاد ہوں گے۔ یہ حدیث ان اللہ یستحی عن ذی الشیبۃ المسلم (اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں) سن کر ایک شخص نے ایک مسخرہ پن بھی کیا تھا مگر اس سے پہلے میں اور ایک مسخرہ کی حکایت بیان کرتا ہوں۔

ایک عاشق مجذوب کی سفرحج کی حکایت

مجھ سے سرائے میران میں ایک وکیل صاحب نے بیان کیا کہ سفرحج میں ایک شخص اس وضع سے چلا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ڈھپلی تھی۔ اسے بجاتا اور ناچتا کودتا تھا لوگوں نے کہا میاں سفرحج میں یہ حرکت؟ کہا تمہیں کیا ہم جانیں اور ہمارا اللہ۔ لوگ یہ سمجھے کہ یہ کوئی مسخرہ ہے اسی حال سے وہ مکہ تک پہنچا۔ جب مطوف کے ساتھ طواف بیت کے لیے چلے اور دروازہ حرم کے قریب پہنچے تو مطوف نے کہا دیکھو وہ ہے بیت اللہ کیونکہ وہ دروازہ کے باہر ہی سے نظر آنے لگتا ہے بس یہ سن کا اس شخص پر ایک حالت طاری ہوئی اور اس نے وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھا:

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر   کہ مباد بار دیگر نرسی بدیں تمنا (۲)

اور شعر پڑھتے ہی دھڑام سے گرا اور جان دیدی اس وقت معلوم ہوا کہ یہ

---

(۱) کنز العمال: ۴۲۶۴۴ (۲) ''جب محبوب کے کوچہ میں جاؤ تو جان مضطر کو حاضر کر دو ہوسکتا ہے دوبارہ اس تمنا کو نہ پہنچ سکو''۔

مسخرہ نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کا عاشق مجذوب تھا۔ صاحبو! اللہ کے بندے بہت سے چھپے ہوئے ہیں کسی کو ظاہری حالت کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد (۱)

بعض اولیاء اللہ کا اعلیٰ مقام

بعض اولیاء اللہ کو حضرت خضر علیہ السلام بھی نہیں پہچانتے غالباً تذکرۃ الاولیاء میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ حطیم کعبہ میں ایک دفعہ محدثین کا مجمع تھا حدیث کا درس ہو رہا تھا یہ بزرگ الگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خضر نے ان سے فرمایا بھائی تم الگ کیوں بیٹھے ہو آؤ حدیث سن لو۔ فرمایا عمن یحدثون یہ کس سے حدیث بیان کر رہے ہیں کہا عن سفیان الثوری وفلاں یہ سفیان ثوری وغیرہ سے روایت کر رہے ہیں قال فمابال من یحدث عن اللہ تعالی فرمایا جو شخص خود اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہو اس کو سفیان ثوری سے روایت کرنے کی کیا ضرورت ہے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا سبحان اللہ کیا آپ اس مقام پر ہیں بھلا اس کی دلیل کیا ہے فرمایا اس کی دلیل یہ ہے کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں کہ تم خضر ہو اور تم مجھ کو نہیں پہچانتے۔

حضرت سید صاحب کا مقام

اسی طرح مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نانوتہ میں ایک شخص جب مسجد میں آتے تھے ان کے آنے کے ساتھ ہی مسجد منور ہوجاتی تھی حالانکہ وہ کوئی شیخ یا عالم یا بڑے ممتاز شخص نہ تھے معمولی دنیادار وضع کے آدمی تھے۔ مولانا نے اس نورانیت کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک دفعہ سید صاحب سے ملاقات وزیارت نصیب ہوئی تھی۔ ایک جلسہ کی ملاقات سے یہ کیفیت حاصل ہوگئی کہ ان کے آنے سے مسجد منور ہوجاتی تھی واقعی سید صاحب کی تو وہی کیفیت تھی جو حضرت سلطان نظام الدین اولیاء نے ایک بزرگ کی نسبت بیان فرمائی ہے۔

---

(۱) "خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو"

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد   واللہ! خلاف نیست کہ او عشق باز شد(۱)

اور مولانا فرماتے ہیں:

گر تو سنگ خارہ مرمر شوی   چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی(۲)

اور کسی کا شعر ہے

آہن کہ بپارس آشنا شد   فی الحال بصورت طلا شد(۳)

غرض دیکھئے وہ شخص ظاہر میں دنیادار معلوم ہوتا تھا مگر سید صاحب کی ایک بار زیارت کرنے سے خدا تعالیٰ نے اس کو یہ بزرگی عطا فرمائی اور کسی کو پتہ نہ تھا۔

حضرت سلطان جی کے سفر کی ایک حکایت

اسی طرح حضرت سلطان جی ایک بار سفر میں تھے۔ نماز کا وقت آ گیا۔ آپ اس فکر میں تھے کہ کوئی دوسرا آدمی آجائے تو جماعت ہوجائے کہ اتنے میں سامنے سے ایک گھسیارا گھاس کا گٹھڑ سر پر رکھے ہوئے آیا۔ سلطان جی نے اس سے کہا بھائی نماز پڑھوگے؟ کہا ہاں، اسی واسطے آیا ہوں۔ فرمایا پھر جلدی وضو کرلو۔ کہا نظام الدین مسلمان کہیں بے وضو بھی رہا کرتا ہے۔ اب جو سلطان جی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے مقام کا شخص ہے، معمولی بزرگ نہ تھا۔ تو ظاہری صورت سے کسی کو حقیر نہ سمجھو۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد(۴)

ایک مسخرہ کی مغفرت کی حکایت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ حدیث ان اللّٰہ یستحی عن ذی الشیبۃ المسلم (۵) کو سن کر ایک شخص نے مسخرہ پن کیا کہ مرتے ہوئے ایک دوست سے وصیت کی کہ جب مجھ کو دفن کر چکو تو میرے سر اور ڈاڑھی میں تھوڑا آٹا چھڑک دینا۔ دوست نے کہا اللہ کے بندے

(۱) "جو شخص حضرت سید گیسو دراز کا مرید ہوگیا۔ خدا کی قسم یہ کوئی غلط بات نہیں کہ وہ عشق باز ہوگیا" (۲) "اگر تم سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہوگے مگر جب اہل اللہ کے پاس پہنچو گے تو موتی ہو جاؤ گے" (۳) جو لوہا پارس کی پتھری سے ملا فوراً ہی سونا بن گیا" (۴) "ہر جنگل میں گمان مت لے جاؤ کہ خالی ہے، ممکن ہے کہ چیتا سویا ہوا ہو" (۵) "اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں" کنز العمال: ۴۲۶۴۳۔

زندگی میں تو دل لگی کیا ہی کرتا تھا کیا مرتے ہوئے بھی دل لگی کرتا ہے۔ بھلا اس حرکت سے کیا نفع؟ کہا تم کو کیا۔ اگر تم کو ہماری دوستی کا پاس ہے تو ہماری وصیت کو پورا کر دینا۔ خیر وہ ہنس کر اس پر راضی ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بڑا ہی دل لگی باز ہے کہ مرتے مرتے بھی ظرافت سے باز نہ آیا۔ چنانچہ دفن کے بعد اس نے وصیت پر عمل کیا۔ پھر ایک دن اسے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہو کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ مجھے حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں سے سوال ہوا کہ آپ نے وصیت کیوں کی تھی' میں نے عرض کیا کہ الٰہی! میں نے سنا تھا کہ آپ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں۔ سو بوڑھا ہونا تو میرے اختیار میں نہ تھا، کیونکہ بوڑھاپے سے پہلے آپ نے بلا لیا۔ تو میں نے چاہا کہ بوڑھوں کی سی صورت ہی بنا لوں۔ اس لیے آٹا ملنے کی وصیت کی تھی۔ ارشاد ہوا جاؤ تمہیں بخش دیا۔

قیامت میں اہل محبت کا حال

یہ تو برزخ کے واقعات تھے اور قیامت میں یہ حالت ہوگی: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (۱) فرشتے قبروں سے نکلتے ہی بشارت دیں گے کہ دنیا کے فوت کا رنج نہ کرو اور آئندہ کسی مصیبت کا خوف نہ کرو اور جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور ہر چند کہ قیامت کا دن بہت ہولناک اور سخت ہے مگر مسلمان کے لیے خصوصاً اہل محبت کے لیے وہ نہایت آسان ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے، مگر مؤمن کے لیے ایسا معلوم ہوگا جیسا نماز کا وقت اور عشاق کے لیے تو قیامت کا دن تماشا گاہ ہے۔ میں نے مولانا فضل الرحمن صاحب سے ایک شعر سنا تھا، اس وقت وہ یاد آتا ہے:

عاشقاں را روز محشر با قیامت کار نیست　　　عاشقاں را جز تماشائے جمالِ یار نیست (۲)

---

(۱) "جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر انہوں نے استقامت حاصل کی ان پر فرشتے اترتے رہتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے" سورۃ الفصلت: ۳۰ (۲) "عاشقوں کو قیامت اور روز محشر سے کیا کام ان کو تو اپنے محبوب (اللہ) کے دیدار کی تمنا ہے کہ وہ حشر میں ہوگا"۔

اہل محبت کو وحشت نہیں ہوتی

شاید یہاں کسی کو یہ خیال ہو کہ مسلمانوں میں بعضے گنہگار بھی ہیں اور اہل محبت تو اپنے کو سب سے زیادہ گنہگار سمجھتے ہیں۔ تو قیامت میں گناہوں پر سزا بھی تو ہو گی۔ میں تو کہتا ہوں کہ واللہ مجھے تو یقین ہے کہ مسلمانوں کو بہت کم سزا ہو گی۔ حضرت حق ان کو تو کسی بہانہ سے معاف کر دیتے ہیں (سبحان اللہ! کیسی رجاء اور کیسی محبت ٹپکتی ہے ۱۲) میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ سمجھ کر تم حق تعالیٰ سے ڈرو ہی نہیں ڈرو ضرور اور دل میں ہیبت رکھو، مگر ویسی ہی ہیبت رکھو جیسی محبوب سے ہوا کرتی ہے۔ محبوب سے اس کے جمال وجلال کی وجہ سے ہیبت ہوتی ہے۔ ہوّا (۱) سمجھ کر وحشت اور خوف نہیں ہوتی۔ اس ہیبت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے:

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے   تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکل جائے ہے

خلاصہ یہ کہ محبوب سے ہیبت تو ہوتی ہے مگر وحشت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حق تعالیٰ سے اور ان کی لقاء سے وحشت (۲) نہیں ہونی چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ محبت پیدا کرو، محبت کے بعد تم گنہگار ہو کر بھی حق تعالیٰ سے متوحش اور موت سے متنفر نہ ہو گے (۳) اور محبت کا وہی طریقہ ہے جو اوپر بتلایا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو اور ان کے احسانات کو یاد کرو۔ دوسری بات یہ کہ اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو اور تیسری بات اور بھی ہے کہ تھوڑی دیر ذکر کر لیا کرو، گو خلوص سے نہ ہو مگر فلوس (۴) کے لیے بھی نہ ہو۔ یعنی دنیا کے لیے نہ ہو۔

دُنیوی معاملات بزرگوں کے ذمہ لگانا ان کی بے ادبی ہے

جیسے آج کل لوگ گیارہویں کرتے ہیں جس میں عموماً محض دنیا کی نیت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے سال بھر تک برکت وعافیت رہے گی اور نہ کریں گے تو وبال

(۱) ڈراونی بلا سمجھ کر (۲) اللہ کی ملاقات سے گھبراہٹ نہیں ہوئی چاہئے (۳) اللہ سے وحشت اور موت سے نفرت نہیں ہوگی (۴) پیسوں کے لیے بھی نہ ہو۔

آئے گا۔ میں نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تم لوگ ہم کو وہابی کہتے ہو اور یوں بدنام کرتے ہو کہ ان کو بزرگوں کا ادب نہیں ۔ اور خود تمہارے ادب کی یہ حالت ہے کہ دنیوی معاملات کے واسطے گیارہویں کرتے ہو کہ بڑے پیر صاحب ہمارے کھیت کی نگہبانی کریں گے یا دکان کی حفاظت کریں گے۔ کیا بزرگوں کا یہی ادب ہے؟ اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔ غرض ذکر میں اس قسم کی نیت تو نہ ہو۔ اس کے بعد چاہے خلوص ہو یا کم از کم خلوئے ذہن ہی ہو(۱) ۔ پھر اس میں خواہ قلب کو سکون ہو یا کہ وساوس بھی آتے ہوں، اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

ذکر مع الوسواس کا اثر

ذکر گو خلوص سے نہ ہو اور گو وساوس ہی کے ساتھ ہو اثر سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ذکر غیر خالص کا اثر ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ خلوص پیدا ہو جاتا ہے اور ذکر معہ الوساوس(۲) کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چند روز کے بعد وساوس اسی ذکر سے دفع ہو جاتے ہیں۔

نان وحلوا کا مصنف سنی نہیں ہے

اب یہاں سے میں جواب دیتا ہوں کہ ایک شعر کا جو مثنوی کا نہیں ہے بلکہ نان وحلوا کا ہے، جس کا مصنف شیعی ہے بہاء الدین عاملی، مگر واعظوں نے اس شعر کو مثنوی کی طرف منسوب کر کے عوام کا ناس کر دیا۔ وہ عام طور پر اپنے مواعظ میں اس پر زور دیتے ہیں کہ آج کل کے لوگوں کا نماز روزہ کچھ نہیں ہے محض بیکار ہے کیوں کہ نماز کی حالت میں وسوسے ان کو گھیرے رہتے ہیں۔ ذکر میں خیال منتشر ہوتا ہے اور اس پر یہ شعر پڑھ دیتے ہیں۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر(۳)

مگر میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں:

ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر(۴)

(۱) ذہن میں کوئی نیت نہ ہو (۲) وسوسوں کے ساتھ ذکر کرتے رہنے کا یہ فائدہ ہے (۳) ''زبان پر تسبیح دل میں گاؤ خر یعنی دنیاوی خیالات، ایسی تسبیح کب اثر رکھے'' (۴) ''کہ ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے''۔

اور واللہ اگر مجھے اور بہاؤ الدین کو ایک جگہ جمع کر کے قسم دی جاتی کہ جو کچھ تم کہتے ہو اگر صحیح ہو تو قسم کھالو، میں تو قسم کھالیتا اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز قسم نہ کھاسکتے۔ بہر حال اس کا انتظار نہ کرو کہ یکسوئی و اطمینان نصیب ہو تو ذکر اللہ میں مشغول ہوں۔

فکرِ آخرت کی ضرورت

بہت لوگوں کی عمریں اسی میں ختم ہوگئیں کہ پنشن مل جائے تو دینداری اختیار کریں اور گورنمنٹ سے پنشن سے پہلے ان کو دنیا ہی سے پنشن مل گئی اور آخرت میں جا پہنچے۔ صاحبو! حق تعالیٰ کی طرف سے تو ہر وقت آپ کو یہ ندا ہے (۱)

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ (۲)

یعنی تم جیسے بھی ہو اسی حالت میں متوجہ ہو جاؤ، چاہے کیسے ہی گوہ در گوہ ہو، کیونکہ دور رہ کر تم پاک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ناپاک ہو اور دریا میں اس لیے نہ جاتا ہو کہ وہ پاک شفاف اور میں ناپاک، اس حال میں کیونکر جاؤں بلکہ پاک ہو جاؤں گا تو دریا اس سے یہی کہے گا کہ تو جیسا بھی ہے اسی حال میں میرے پاس چلا آ، کیونکہ مجھ سے دور رہ کر تو پاک نہیں ہو سکتا۔ پس اس کا ہرگز خیال نہ کرو کہ ہم تو گنہگار ہیں، دنیادار ہیں، دنیا کے علائق میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس حال میں کیونکر ذکر اللہ شروع کریں۔ صاحبو! تم اسی حال سے کام شروع کر دو، پھر تمہارے علائق اور گناہوں کو بھی کم کر دے گا۔ اسی طرح اس سے بھی پریشان نہ ہونا چاہیے کہ پابندی نہیں ہوتی، ناغہ ہو جاتا ہے۔

دوام کی ایک صورت

میرے ایک دوست کا خط مثنوی کے وزن میں منظوم آیا تھا جس میں اس کی

(۱) "واپس آ، واپس آ، جو کچھ بھی تو ہے اگرچہ کافر آتش پرست بت پرست ہے واپس آ" (۲) یوں پکارا جا رہا ہے

شکایت تھی کہ پابندی نہیں ہوتی، ناغہ ہوجاتا ہے، اس سے پریشان ہوں۔ جی چاہا کہ جواب بھی منظوم ہو، مگر اتنی کسے فرصت کہ نظم تصنیف کرے، دوسرے مجھے تکلفات سے وحشت بھی ہوتی ہے۔ نیز مجھے نظم میں ملکہ بھی نہیں ہے۔ لیکن دل چاہتا تھا کہ جواب بھی نظم میں ہو، حق تعالیٰ نے مثنوی کا ایک شعر یاد دلا دیا جس میں سارے خط کا جواب تھا۔ میں نے وہی لکھ دیا۔ وہ شعر یہ ہے

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی (۱)

سبحان اللہ! کیا عمدہ دلیل بیان کی ہے کہ ایسے بے انتظامی کی سعی سونے سے اور کچھ نہ کرنے سے تو بہتر ہی ہے۔ تو اس کو بھی فضول نہ سمجھو، یہ بھی مفید ہے۔ ہمارے مولانا کا ارشاد ہے کہ دوام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسی حالت پر دوام ہوجائے کہ کبھی کام کرلیا اور کبھی ناغہ ہوگیا، لستم پستم ہی کام (۲) کئے جاؤ۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا بے انتہا رحم وکرم

ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن تم پر ضرور رحم ہوگا اور تم پر کیوں نہ رحم کریں گے جبکہ وہ اپنے دشمنوں پر بھی ایسے مہربان ہیں کہ ایک بت پرست صنم صنم کا ورد کررہا تھا۔ ایک دن بھولے سے صمد منہ سے نکل گیا۔ فوراً آواز آئی: لبیک یا عبدی لبیک (حاضر ہوں اے میرے بندے! حاضر ہوں) یہ آواز سن کر بت پرست پر حال طاری ہوگیا اور اس نے بت کو زور سے ایک لات ماری کہ کم بخت سالہا سال میں تجھ کو پکار رہا ہوں، تیرے پھوٹے منہ سے کبھی ایک حرف بھی نہ نکلا۔ قربان جاؤں اپنے پروردگار کے، ایک بار بھولے سے اس کا نام زبان پر آگیا تو فوراً سن لیا اور جواب دیا۔ اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔ تو حق تعالیٰ تو ایسے مہربان ہیں، وہ آپ پر کیسے رحم نہ کریں گے۔ حالانکہ آپ تو خدا تعالیٰ کی خاص جماعت میں داخل ہیں۔

---

(۱) ''محبوب حقیقی اس آشفتگی یعنی طلب کو پسند فرماتے ہیں کہ اگرچہ بے ثمر ہو مگر تعطل سے بہتر ہے'' (۲) ٹوٹا پھوٹا کام کرتے رہو۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری(۱)

حضرت غوث اعظم کی ایک حکایت

اور سنیے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے جو غالباً شیخ عبدالحق دہلوی نے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ ایک بار آپ رات کو اٹھے اور خانقاہ کے دروازہ کی طرف چلے۔ خادم نے دیکھا کہ حضرت خانقاہ کے دروازہ کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی ساتھ ساتھ ہولیا، مگر اس طرح کہ حضرت کو خبر نہ ہو۔ یہ ادب ہے مشائخ کا کہ ان کے خاص اوقات میں مثلاً تہجد کے وقت ان کے پاس جا کر نہ بیٹھے نہ سامنے جا کر کھڑا ہو، بلکہ دور رہ کر دیکھتا رہے۔ اگر ان کو کسی کام کی ضرورت قرینہ سے معلوم ہو تو وہ کام کردے ورنہ الگ رہے اور ان کے اوقات میں خلل نہ ڈالے، کیونکہ بزرگوں کو تہجد یا خلوت کے وقت کسی کا پاس ہونا گوارا نہیں ہوتا اور مجھے بھی گو میں کچھ نہیں ہوں صبح کی نماز کے بعد باتیں کرنے والے پر غصہ آتا ہے کہ یہ کیسا بے قدر ہے کہ ایسے نورانی وقت کو ضائع کرتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک یہ وقت ذکر اللہ کے لیے عجیب ہے، اس کو ضائع نہ کرنا چاہیے۔ غرض حضرت غوث اعظم خانقاہ سے باہر تشریف لے چلے اور خادم ساتھ ساتھ رہا اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ حضرت کو اطلاع نہ ہو، یہاں تک کہ دروازہ شہر پناہ پر پہنچے جو مقفل تھا مگر حضرت کی برکت سے قفل کھل گیا اور دونوں صاحب یکے بعد دیگرے شہر سے باہر نکلے۔ تھوڑی دیر میں ایک نیا شہر نظر پڑا۔ خادم کو بڑی حیرت ہوئی کہ بغداد کے متصل تو کوئی بھی شہر نہیں۔ یہ شہر کہاں سے آگیا مگر وہ اصل میں متصل نہ تھا، بہت دور تھا۔ حق تعالیٰ نے غوث اعظم کی کرامت کے لیے زمین کی طنابیں کھینچ دیں، اس سے وہ قریب ہوگیا، چنانچہ دونوں صاحب ایک مکان میں پہنچے جہاں اولیاء اللہ کا ایک مجمع تھا اور اس مکان کے ایک سمت میں ایک درجہ تھا جہاں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آرہی تھی، پھر وہ آواز منقطع ہوگئی اور پانی کے گرانے کی آواز آنے لگی۔

(۱) "دوستوں کو کب محروم کروگے جبکہ دشمنوں پر آپ کی نظر عنایت ہے"

تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک جنازہ برآمد ہوا اور چند آدمی ساتھ تھے جن میں ایک بوڑھے بزرگ گویا اس مجمع کے سردار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا جنازہ تیار ہے۔ سب حضرات نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت غوث اعظم امام بنے۔ نماز کے بعد جنازہ کو لے گئے اور جو پہلے سے حضرت کے پاس جمع تھے وہ بدستور حاضر رہے اور انہوں نے حضرت غوث اعظم سے کچھ عرض کیا اور تھوڑی دیر میں ایک شخص عیسائی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا زنار توڑ کر الگ کیا اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اس کو تلقین کی۔ مسلمان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اس کے قائم مقام ہے، اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور تھوڑی دیر میں بغداد میں داخل ہوگئے۔ خادم بھی الگ الگ ساتھ رہا۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت کسی کتاب کا درس ہوا کرتا تھا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ آؤ سبق پڑھ لو۔ وہ کتاب لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت! رات کے واقعہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیے طبیعت کو بہت تشویش ہے، پڑھنے کو بھی دل حاضر نہیں۔ پہلے اس کی حقیقت بتلا دیجئے، تب کچھ پڑھوں گا۔ فرمایا کیا تم رات ہمارے ساتھ تھے؟ کہا ہاں! فرمایا یہ مجمع ابدال کا تھا اور وہ شہر موصل تھا۔ ان میں سے ایک شخص قریب مرگ تھے۔ حق تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا۔ میں گیا، وہ جنازہ ان ہی بزرگ کا تھا، ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ بوڑھا حضرت خضر تھے جو ان کے جنازہ کے مامور تھے اور چونکہ ابدال کا محکمہ میرے تحت میں ہے اس لیے مجھ سے پوچھا گیا کہ اس کے قائم مقام اب کون ہوگا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے الہام ہوا کہ قسطنطنیہ کے فلاں عیسائی کو ان کی جگہ دے دی جائے۔ چنانچہ وہ خرق عادت کے طور پر حاضر ہوا۔ میں نے اس کو مسلمان کیا اور مسلمان ہوتے ہی وہ مقام ابدال پر پہنچ گیا۔ نہ معلوم حق تعالیٰ شانہٗ کو اس شخص کا کونسا عمل پسند آگیا ہوگا جو اس کو اسلام کی توفیق دی اور بہت جلد اس مقام عالی پر پہنچ گیا۔

بعض کفار کے توفیق اسلام کا سبب صلہ رحمی ہوتا ہے

کیونکہ بعضے کافر بھی اپنے زعم میں اعمال حسنہ کرتے ہیں، جیسے صلہ رحمی،

ہمدردی، اعانت مظلوم وغیرہ۔ ان اعمال پر کفر کی حالت میں تو کچھ ثواب نہیں ملتا، مگر حق تعالیٰ بعضوں کو ان اعمال کی برکت سے اسلام کی توفیق دے دیتے ہیں جس سے گزشتہ اعمال سیئہ پر بھی ثواب ملتا ہے اور آئندہ اعمال پر تو ثواب ملے ہی گا۔ اسلمت علی ما اسلفت من خیر (۱) حدیث ہے تو پھر آپ کیوں مایوس ہوتے ہیں۔ کیا آپ سے مسلمان ہو کر بھی ساری عمر میں ان دونوں کافروں کے برابر کوئی عمل نہ ہوا ہوگا جس سے آپ نظر عنایت کے مستحق ہو جائیں۔

کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے

ان دونوں حکایتوں سے دو باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ انسان کو تکبر وعجب نہ کرنا چاہئے، نہ کسی کو حقیر سمجھنا چاہئے۔ کیا خبر ہے حق تعالیٰ نے کس کے واسطے کیا مقدر کر رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ معصیت سے مایوس نہ ہو (۱) اور دل شکستہ نہ کرے۔ حق تعالیٰ بڑے رحیم وکریم ہیں۔ وہ تو کافروں پر بھی اگر وہ ذرا سی توجہ کریں بہت جلد رحم فرماتے ہیں، پھر مسلمان پر کیوں نہ رحم فرمائیں گے۔

مراقبہ، انعامات واحسانات خداوندی کے لیے ایک چلہ کی ضرورت

بس تم خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا کرلو۔ جس کے طریقہ کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ ان کے انعامات واحسانات کو یاد کرو۔ مراقبہ الاء اللہ میں مشغول ہو جاؤ۔ واللہ مصیبت کے اندر بھی تم کو نعمتیں نظر آئیں گی۔ نیز ذکر اللہ کے لیے ایک وقت خاص کرلو۔ پھر چند روز میں ان شاء اللہ تعالیٰ چند ہی روز جس کی مقدار میں خود نہیں مقرر کرتا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مقدار خود ارشاد فرمائی: من اخلص للہ اربعین یوما أظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه (رواه ابو نعيم في الحلية ۵/ ۱۸۹ عن ابی ایوب کذا قال العراقی) (۲) اور عارف شیرازی اسی ہدایت کی خاصیت فرماتے ہیں:

---

(۱) "میں اسلام لایا اس نیک عمل کی وجہ سے جو اس سے پہلے کیا تھا" مسند احمد: ۳/ ۴۰۲ (۱) گناہ کر کے مایوس نہ ہو (۲) "جو شخص اللہ تعالیٰ کی چالیس دن خالص عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس کو ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ایوب سے روایت کیا ہے"۔

شنیدم رہروے در سر زمینے ہمی گفت ایں معما باقرینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ لماندار بعینے (۱)

یعنی چالیس روز میں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جائے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ چالیس دن میں تم جنید بغدادی ہو جاؤ گے مگر عاشق اور محب ضرور ہو جاؤ گے۔ اگر تم کو اس بات پر دل سے اعتقاد نہیں ہوتا تو تم آزمائش ہی کے طور پر کر کے دیکھ لو، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد رستہ کھلے گا اور گو آزمائش کے لیے عمل کرنا خلوص سے نہ ہوگا مگر میں مولانا کے تجربہ کے اعتماد کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ آزمائش ہی کے لیے عمل کر کے دیکھ لیجیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اثر ظاہر ہوگا اور راستہ کھلتا ہوا نظر آئے گا۔ جس کو مولانا فرماتے ہیں:

سالہا تو سنگ بودی دلخراش آزمون رایک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ (۲)

راہ چلنے سے حجابات اُٹھتے جائیں گے

یہ شبہ نہ کرو کہ رستہ کیسے کھلے گا۔ ہمارے درمیان میں تو گناہوں کے حجابات بہت ہیں، میں کہتا ہوں کہ آپ چلنا تو شروع کریں، سب حجابات (۳) خود بخود اُٹھتے چلے جاتے ہیں۔ میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں، وہ یہ کہ آپ یہاں سے دہلی جانا چاہیں تو دہلی تک راستہ کھلا ہوا معلوم نہیں ہوتا بلکہ بظاہر دیکھنے میں دور سے سڑک کے دو طرفہ درختوں کے ملے ہوئے نظر آنے سے راستہ بند معلوم ہوتا ہے۔ پھر آسمان چونکہ کروی ہے وہ بھی حد نظر پر زمین سے ملا ہوا نظر آتا ہے اور راستہ طے کرنے سے مانع (۴)

(۱) ”کسی ملک میں میں نے ایک راستہ چلنے والے شخص سے یہ بات سنی وہ اس بات کو بڑے قاعدے اور مزے سے کہتا تھا کہ اے صوفی شراب اس وقت صاف ہوتی ہے جبکہ شیشے کے اندر چالیس روز رہے“
(۲) ”برسوں تم دلخراش پتھر کی طرح رہے ہو آزمائش کے طور پر کچھ زمانہ خاک بن جاؤ خاک بن کر بھی دیکھ لو۔ بہار کے موسم میں پتھر سرسبز نہیں ہوتے تم خاک بن جاؤ تاکہ رنگ برنگ کے پھول اُگیں“ (۳) سب پردے اٹھتے جائیں گے (۴) رکاوٹ۔

معلوم ہوتا ہے۔ اس حالت میں آپ نے رفیق سے کہا کہ دہلی چلو۔ وہ کہتا ہے کہ راستہ تو سامنے سے بند نظر آتا ہے، کیونکر چلیں۔ آپ اس سے کہتے ہیں کہ نہیں تو چلو تو سہی، راستہ تو کھلا ہوا ہے، مگر اس انفتاح کا علم سیر ہی سے ہوگا[1] بدون سیر کے نہ ہوگا۔ اب اگر رفیق نے آپ پر اعتماد کیا اور چلنا شروع کر دیا تو وہ دعاے گا کہ واقعی جوں جوں چلتے ہیں راستہ نکلتا ہی چلا آتا ہے اور اگر اس نے اعتماد نہ کیا تو جب آپ نے دہلی پہنچ جانے کی اسے اطلاع دی اس وقت وہ افسوس کرے گا۔

سچی طلب کا اثر

مولانا رومی بڑی قوت سے اسی کے متعلق فرماتے ہیں اور واقعی محقق کے کلام میں ایک قوت ہوتی ہے۔ شاعروں کے کلام میں وہ قوت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف دارمی باید دوید[2]

یہ ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو اس نکیر میں منقول ہے گو حجت تو نہیں ہے مگر تائید و تمثیل کے لیے کافی ہے۔ منقول ہے کہ زلیخا نے جس وقت یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانا چاہا تو اس نے آپ کو ایسے مکان میں بلایا جس کے یکے بعد دیگرے سات دروازے تھے اور ہر دروازہ پر قفل[3] ڈال دیا تھا تاکہ یوسف علیہ السلام بھاگ نہ جائیں، پھر جب اس نے یوسف علیہ السلام سے اظہار مدعا کیا اور آپ نے اس سے صاف انکار کیا تو آپ کو فکر ہوئی کہ اس عورت کے پنجہ سے کس طرح نکلوں۔ اس نے تو بری طرح مجھے مقید کیا ہے۔ بس معا آپ کو یہ خیال ہوا کہ جتنا میری قدرت میں ہے مجھ کو تو وہ کرنا چاہئے۔ آگے جو کام خدا تعالیٰ کی قدرت کا ہے وہ خود کر دیں گے۔ چنانچہ آپ نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔ اب رحمتِ حق کو دیکھئے کہ جس دروازہ پر آپ پہنچے وہ باذن اللہ خود بخود کھل جاتا اور قفل ٹوٹ کر گر پڑتا۔ اسی طرح ہر دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

---

(۱) اس کھلے ہونے کا علم چلنے ہی سے ہوگا (۲) "اگرچہ عالم میں کوئی راستہ معلوم نہیں ہوگا مگر یوسف علیہ السلام کی طرح طالب بن کر دوڑنا تو چاہئے" (۳) تالا۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی اگرچہ عالم میں کوئی راستہ کھلا ہوا نظر نہیں آتا مگر ہم کو یوسف علیہ السلام کی طرح طالب بن کر دوڑنا تو چاہئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ خود بخود راستہ نظر آئے گا۔ صاحبو! اس واقعہ سے ہم کو سبق لینا چاہئے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ جہاں آڑ بھی نہیں وہاں کھڑے کھڑے پاؤں ملتے ہیں اور خواہ مخواہ اپنے سامنے ایک آڑ سمجھتے ہیں۔ اور ان کی حالت یہ ہے کہ جہاں واقعی آڑ تھی وہاں بھی مایوس نہ ہوئے، ہمارا شیطان نے راہ مار رکھا ہے۔ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ (۱) یہ تم کو مایوس کر رہا ہے اور خواہ مخواہ تمہارے سامنے ایک آڑ بنا کر کھڑی کر دیتا ہے اور یہ اس کم بخت کی ہمت ہے کہ جس کام کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے کما ورد فی بعض الروایات وان کان الصحیح عدم تعیین عددھم ولکنہ ذکر تمثیلا(۲)

یہ کم بخت اکیلا سب کے مقابلہ کے لیے تیار ہے اور انبیاء کے کام میں روڑے اٹکاتا ہے اور گو انبیاء و عارفین ہمیشہ اس کی تدابیر کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیتے ہیں مگر یہ پھر بھی ہمت نہیں ہارتا۔

شیطان کی چالیں کمزور ہوتی ہیں

اس کی ہمت تو دیکھئے اور ایک آپ ہیں کہ شیطان سے ڈر گئے اور اس کے دھوکے میں آگئے۔ شاید تم یہ کہو کہ اس کی تو بڑی قوت ہے کہ انسان کے اندر اس طرح چلتا ہے جس طرح خون چلتا ہے۔ میں کہتا ہوں چلنا تو صحیح مگر قوت بالکل غلط، اس میں خاک بھی قوت نہیں۔ حق تعالیٰ صاف فرماتے ہیں إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَٰنِ كَانَ ضَعِيفًا (۳) کہ شیطان کی چالیں بہت کمزور ہوتی ہیں اور فرماتے ہیں: إِنَّهُۥ لَيْسَ لَهُۥ سُلْطَٰنٌ عَلَى الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (۴) کہ مسلمانوں پر اس کا کچھ بھی اختیار نہیں جو اپنے خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کی

(۱) "اور روکتا ہے تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے پس کیا تم رکو گے" سورۃ المائدہ: ۹۱ (۲) "جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے اگرچہ صحیح ان کی شمار کی تعیین نہیں ہے" (۳) سورۃ النساء: ۷۶ (۴) سورۃ النحل: ۹۹

زیارت کو کوئی شخص گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب جا کر دیکھا کہ وہ تلاوت قرآن کے لیے بیٹھے ہیں۔ تو یہ باہر ہی رک گئے۔ مگر قریب سے سنا کہ اول اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (میں شیطان راندہ درگاہ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) کہا، پھر فرمایا اے شیطان! خوش مت ہونا کہ میں تجھے اتنا بڑا سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی پناہ تجھ سے بچنے کے لیے طلب کرتا ہوں۔ یاد رکھ میں تجھے کچھ نہیں سمجھتا رہا۔ اعوذ باللہ پڑھنا یہ محض اپنے محبوب کے حکم کی تعمیل کے لیے ہے۔ واقعی عارف شیطان کو کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ وہ اس کی چالوں کو دم بھر میں توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ ہمارے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ وضو سے فارغ ہو کر مسجد میں جا کر مصلے پر پہنچ کر یہ شبہ ہوا کہ شاید میں نے خفین (۱) کا مسح نہیں کیا، اس لیے وضو کی جگہ لوٹ کر مسح کر لیا۔ بس اب شیطان نے پیچھا لیا۔ اس کے بعد کبھی مصلے پر پہنچ کر کبھی اس کے قبل یہی شبہ ہوتا کہ مسح نہیں کیا۔ کچھ دنوں تو احتیاط پر عمل کر کے دوبارہ مسح کر لیا۔ پھر سمجھ لیا کہ یہ تو شیطان کا وسوسہ ہے۔ ایک بار جو مصلے پر پہنچ کر یہی شبہ ہوا تو آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور ہمت کر کے نماز شروع کر دی۔ اب شیطان نے کہنا شروع کیا کہ بدون مسح کے وضو صحیح نہیں اور بدون وضو کے نماز صحیح نہیں۔ یہ نماز اکارت (۲) جائے گی۔ آپ نے فرمایا تیری بلا سے تو ایسا ہی تو میری نماز کا خیر خواہ ہے۔ شیطان نے کہا عمداً بدون وضو کے نماز پڑھنا کفر ہے۔ فرمایا تیری بلا سے تجھے اگر ایمان سے خیر خواہی ہوتی تو مخلوق کو کافر کیوں بناتا تو جو چاہے کہہ یہ نماز تو میں بدون مسح ہی کے پڑھوں گا (یہ مجارات خصم کے طور پر تھا، ورنہ ایسا شبہ خود معتبر نہیں) مولانا فرماتے تھے کہ اس نماز کے بعد پھر شیطان نے کبھی وضو میں وسوسہ نہیں ڈالا۔ دیکھا آپ نے کہ عارفین اس کی تدبیروں کو کس طرح باطل کرتے ہیں۔ اسی واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (۳) پس شیطان سے ڈرومت۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی محقق کے ساتھ تعلق پیدا

(۱) چمڑے کے موزے پر مسح نہیں کیا (۲) بیکار ہے (۳) ''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہوتا ہے'' سنن الترمذی: ۲۶۸۱۔

کرلو تا کہ وہ تم کو شیطان کی تدابیر کا توڑ بتلاتا رہے، کیونکہ یہ راستہ بہت نازک ہے اور اس میں وساوس وخطرات بھی بہت نازک پیش آتے ہیں۔ بعض دفعہ شیطان اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس کو محقق عارف کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ نیز اس راستہ کے علوم واحوال ومقامات بھی بہت نازک ہیں۔

شیخ کامل کی ضرورت

چنانچہ اس تقریر میں آپ نے بہت سے نازک علوم سنے ہوں گے۔ اس لیے بدون محقق کے اتباع کے چارہ نہیں اور جو لوگ خود تنہا بدون (۱) تعلق کسی محقق کے اس راہ میں کامیاب ہوگئے ہیں ان کے واقعات سے شبہ نہ کیجئے۔ مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید (۲)

اس میں مولانا نے اس شبہ کے دو جواب دیئے ہیں کہ ایک تو یہ کہ ایسا نادر واقعہ ہے والنادر کالمعدوم (نادر مثل معدوم کے ہوتا ہے) امور نادرہ کی وجہ سے قواعد پر نقض وارد نہیں ہوسکتا، دوسرے یہ کہ گو ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنہا پہنچے مگر درحقیقت وہ بھی کسی کامل کی ہمت ہی سے پہنچے ہیں۔

اہل اللہ کا فیض عام

کیونکہ بعض اہل اللہ سب مسلمانوں کے واسطے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے بہت لوگ کامیاب ہوجاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کس کی دعا سے کامیاب ہوئے۔ اس کا امتحان یہ ہے کہ بعض اہل اللہ کے مرنے پر غیر مریدوں کو بھی اپنے قلب میں تغیر معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منکر ومعاند نہ ہوں، کیونکہ اب تک اس شخص کی غائبانہ دعا وتوجہ سے فیض ہورہا تھا جو اس کی موت سے بند ہوگئی۔ اس لیے مریدین کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی حالت میں وہ تغیر محسوس ہوتا ہے جس کے باب میں حدیث شریف

(۱) بغیر تعلق (۲) "جس نے بظاہر یہ راہ بغیر راہبر کے طے کی ہے وہ بھی کسی بزرگ کی توجہ سے کی ہے"۔

میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد وارد ہے۔ ما نفضنا الایدی عن دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انکرنا قلوبنا (۱) وہاں تو وجہ ظاہر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب مسلمانوں سے تعلق تھا مگر آپ کے خلفاء میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جس کا احساس ان کے مرنے پر سب کو ہوتا ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذکر خواہ خلوص سے ہو یا وساوس کے ساتھ، بہر حال نافع ہوتا ہے، پس تم اس پر عمل کرو اور اپنے اندر محبت پیدا کرو اور اللہ کو یاد کرو تو تم بہت جلد عشاق میں داخل ہو جاؤ گے وان کنتم عصاۃ عتاۃً (اگرچہ تم سخت گنہگار ہو) اس عشق سے یہ اثر بھی ہو جاوے گا کہ موت کو حیات پر ترجیح ہوگی اور یہ ترجیح عقلی تو ضرور ہوگی اور چونکہ یہ شخص مجذوب نہیں ہے اس لیے طبعی کراہت کا بھی کچھ اثر باقی رہے گا مگر وہ اثر مضر نہ ہوگا اور اس اثر سے قلب میں وحشت پیدا نہ ہوگی، کیونکہ اس کے ساتھ موت کی محبت عقلی بھی جمع ہے بلکہ اس کراہت سے ایک نفع ہوگا، وہ یہ کہ اس شخص کو مجاہدہ کا ثواب ملے گا کہ طبعاً تو موت ناگوار ہے مگر محبت عقلی کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو موت کے لیے مہیا اور تیار کر رہا ہے اور اگر یہ شخص مجذوب ہوگا تو اس کو موت سے طبعی کراہت بھی نہ ہوگی۔ یہ ترتیب ہوگی تاثیر عشق میں اب میں ختم کے قریب آ گیا ہوں۔

تفسیر آیات متلوہ

اور اگلی آیت کا ترجمہ کرتا ہوں، کیونکہ ان کو بھی مناسبت ہے اس مضمون سے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقَـٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲) اس کو اس مضمون سے یہ مناسبت ہے کہ طاعون میں بھی شان قتال ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ شانِ قتل ہے، کیونکہ قتال طرفین سے ہوتا ہے اور یہاں صرف ایک طرف سے ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: الطاعون من وخز اعدائکم الجن (۳)

---

(۱) "نہیں جھاڑا ہم نے ہاتھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے اور ہم نے اپنے دلوں سے انکار کیا"
(۲) "کہ اللہ کے راستہ میں قتل کرو (بے شک اللہ سننے والے جاننے والے ہیں)" (۳) "طاعون تمہارے دشمن جنوں کی ایذا اور طعن سے ہے" المستدرک للحاکم: ۱/۵۰۔

مگر قتال میں مدافعت بالمثل ممکن ہے [1] اور اس کی اجازت بھی ہے، بلکہ امر ہے [2] اور یہاں اس مدافعت [3] کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ وخز اور واخز کا ہم کو ادراک ہی نہیں ہوتا۔ ہاں مدافعت بالعلاج کی اجازت ہے کہ دوا دارو کرو۔ طبعی تدابیر استعمال کرو، یہ تو مشابہت حقیقت میں ہے، دوسری مشابہت طاعون کو قتل سے کہ فرع ہے پہلی مشابہت کی۔ وہ مشابہت حکم میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح فرار من الزحف (میدان جنگ سے بھاگنا) حرام ہے، اسی طرح طاعون سے بھاگنا بھی حرام ہے۔ اور حدیث شریف فرار من الطاعون کو فرار من الزحف کے مثل قرار دیا گیا ہے اور یہ تو فرار میں قبیح نقلی ہے [4]۔ پھر طاعون سے بھاگنا عقلاً بھی قبیح ہے [5]، کیونکہ مفید تو ہے نہیں، کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بھاگنے والوں کی موت بھی طاعون ہی میں ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اس میں ذلت بھی ہے۔ جہاں یہ لوگ جاتے ہیں وہاں کے باشندے ان سے پرہیز بلکہ نفرت ووحشت [6] کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان سے دور رہو۔ یہ طاعون کی جگہ سے آئے ہیں اور مان بھی لو کہ بھاگنا مفید ہے لیکن اخیر بات یہ ہے کہ جان حق تعالیٰ کی ہے، جہاں جس طرح حکم ہو ہم کو اس کی تعمیل ضروری ہے۔ کہیں حق تعالیٰ نے احتیاط کی اجازت دی ہے اور یہاں یہی حکم ہے کہ اس طریقہ سے احتیاط نہ کرو جیسے فوج میں تم خود کہتے ہو کہ بھاگنا قانونا جرم ہے حالانکہ وہ بھی احتیاط ہی سے ہے۔ یہ اہل فلسفہ کا منہ بند کرنے کے لیے جواب ہے کہ وہ اس حکم عدم فرار پر عقلی اعتراض کیا کرتے ہیں، البتہ چونکہ مسئلہ فرعی ہے اعتقادی اور اصولی نہیں، اس لیے اس میں محل فرار کی تعیین میں اجتہاد سے اختلاف کی گنجائش ہوگئی ہے۔ اکثر علماء اس حکم کو علت خاصہ کے ساتھ معلل کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ فرار فی نفسہ حرام نہیں بلکہ خلل فی الاعتقاد [7] کی وجہ سے حرام ہے، یعنی جس کا یہ اعتقاد ہو کہ یہاں سے بھاگ کر طاعون سے بچ جاؤں گا اور عدم فرار سے

(۱) دوسرے کو قتل کر کے اس سے بچا جا سکتا ہے (۲) بلکہ حکم ہے (۳) بچنے کی (۴) شرعی حکم میں برا ہے (۵) برا ہے (۶) نفرت کرتے اور گھبراتے ہیں (۷) اعتقاد کی خرابی کی وجہ سے حرام ہے۔

ہلاک ہوجاؤں گا اس کو بھاگنا جائز نہیں اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو اس کو چلا جانا جائز ہے۔ مگر اول تو حدیث شریف میں جو اس فرار کو فرار من الزحف (۱) سے تشبیہ دی گئی ہے وہ اس تعلیل سے آبی ہے (۲) ورنہ لازم آتا ہے کہ فرار من الزحف (۳) میں بھی یہی تفصیل ہو۔ دوسرے یہ کہ اس اعتقاد سے تو ہر مرض اور ہر بلا سے فرار حرام ہے۔ طاعون ہی کی کیا تخصیص ہے، حالانکہ حدیث سے صریح تخصیص مفہوم ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جس کا اعتقاد درست ہوگا وہ بھاگے ہی کیوں۔ بھاگے گا تو وہی جس کا اعتقاد کمزور ہوگا۔ تو تفصیل بھی بے معنی ٹھہرتی ہے اور بعض نے اس ممانعت کی علت یہ بتلائی ہے کہ بھاگنے کی صورت میں پیچھے رہنے والوں کو تکلیف ہوگی اور اس علت کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ اگر سب کے سب بھاگ جائیں تو جائز ہے اور انفراداً بھاگنا حرام ہے اور ان لوگوں نے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے حضرت عمرؓ کا واقعہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر ایک مقام میں فروکش تھا (۴)۔ وہاں طاعون شروع ہوگیا اور حضرت عمرؓ نے لشکر کو وہاں سے منتقل ہونے کا امر فرمایا مگر علت بھی اسی تشبہ سے مخدوش ہے (۵) ورنہ لازم آتا ہے کہ جہاد میں بھی یہی تفصیل کرکے سب کا بھاگ جانا جائز ہو بعض کا ناجائز ہو۔ اسی طرح یہ استدلال بھی تام نہیں، کیونکہ وہ مقام لشکر کا مسکن (۶) نہ تھا۔ عارضی قیام گاہ تھی اور فرار مسکن سے حرام ہے نہ کہ عارضی قیام گاہ سے۔ مثلاً کوئی شخص مسافر ہوکر کسی مقام پر جائے اور طاعون شروع ہوجائے تو وہاں رفع طاعون تک قیام کرنا اس پر واجب نہیں۔ دوسرے یہ کیا معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے طاعون کی وجہ سے ان کو انتقال کا حکم دیا۔ ممکن ہے کہ کسی دوسری وجہ سے حکم دیا ہو، کیونکہ لشکر تو ہوتا ہی ہے تبدل وتفرج کے لیے (۷)۔ اس لیے استدلال (۸) تام نہیں، راجح اور صحیح یہی ہے کہ ان علل کے حکم میں

(۱) میدان جنگ سے بھاگنے سے تشبیہ دی (۲) وہ اس کی یہ علت قرار نہیں دیتی (۳) میدان جنگ سے بھاگنے میں بھی یہی تفصیل ہو (۴) ٹھیرا ہوا تھا (۵) اس مشابہت سے علت میں بھی خلل آتا ہے (۶) مستقل قیام کی جگہ (۷) ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے (۸) استدلال درست نہیں۔

کوئی اثر نہیں بلکہ اقرب العلل (۱) وہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ چونکہ اس میں کفار جن سے مقابلہ ہے اس لیے فرار ناجائز ہے، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ جس شہر میں طاعون ہو وہاں بستی سے نکل کر فناء شہر میں آپڑیں۔ ہمارے اکابر نے بھی اتنی اجازت دی ہے۔ گو یہ اجازت بھی اجتہادی ہے، اس میں بھی اختلاف رائے کی گنجائش ہے مگر ظاہراً اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے لشکر اسلام کا خرگاہ (۲) اس میدان جنگ میں بدل دیا جاوے تو یہ فرار نہیں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ بلا مع فناء بعقة واحده (۳) ہے۔ اس کے ہر جزو میں رہنا بقعہ میں رہنا ہے۔

مال وجان کی قربانی کی ضرورت

آگے فرماتے ہیں: مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (۴)۔ یہاں قرض حسن سے وہ معنی مراد نہیں جو عوام میں مشہور ہیں۔ عوام بے سودی قرض کو قرض حسن کہتے ہیں جس میں اتنا ہی ملتا ہے جتنا دیا تھا، بلکہ قرض حسن سے مراد وہ ہے کہ خلوص محبت کے ساتھ طوع ورغبت (۵) سے دے۔ پھر اس کا معاوضہ مساوی نہ ملے گا بلکہ بہت زیادہ ملے گا۔ جیسا کہ ابھی آگے آتا ہے۔ تو مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں تو قرض حسن قرض بلا زیادت (۶) ہے اور خالق کے ساتھ معاملہ کرنے میں قرض حسن قرض مع الزیادت ہے (۷)۔ یہاں ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے، وہ یہ کہ اس آیت کے ربط میں لوگوں کو اشکال پیش آیا ہے کہ ماقبل سے اس کا کیا ربط ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اوپر بذل نفس کا ذکر تھا۔ یہاں بذل مال کا ذکر ہے اور قتال میں دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز تہیؤ للقتال (۸) میں اصلاح ہے نفس کی اور اس اصلاح نفس میں بذل مال (۹)

---

(۱) سب سے قریب ترین علت وہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے (۲) قیام (۳) اس میدان کے کنارے پر رہنے کا بھی وہی حکم ہے جو میدان میں رہنے کا ہے، چاہے کسی کنارے پر رہے (۴) "کون شخص ہے جو اللہ کو قرض حسن دے" البقرۃ:۲۴۵ (۵) خوش دلی سے دے (۶) برابر سرابر ہے (۷) زیادتی کے ساتھ واپسی ہوگی (۸) لڑائی کے لیے ابھارنے میں نفس کی اصلاح ہے (۹) مال خرچ کرنے کا بھی دخل ہے۔

کو بھی بڑا دخل ہے، بلکہ بعض لوگ بذل نفس کے لیے تو تیار ہوتے ہیں مگر بذل مال ان پر گراں ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی مذاق کے ایک شخص کا قول ہے۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست در زر طلبی سخن دریں ست (۱)

ممکن ہے شاعر کا خود یہ مذاق نہ ہو۔ اس نے دوسروں کا مذاق بیان کیا ہو تو بہت لوگ اس مذاق کے بھی ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے مجاہدہ ببذل النفس (۲) کے ساتھ ہر جگہ تقریباً ببذل المال کا بھی ذکر فرمایا ہے تاکہ اصلاح کامل ہو جائے اور نسخہ مکمل ہو جائے۔ یہ ربط بہت عمدہ ہے۔ مگر اس کی ضرورت اسی وقت ہے جبکہ قرض کا استعمال بذل نفس (۳) میں نہ ہو سکتا ہو، نہ حقیقتاً نہ مجازاً اور نہ اس کو بذل مال (۴) کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت ہے، میں اس کو عام کہوں گا اور اس صورت میں بذل نفس سے بے تکلف ربط ہو جائے گا، کیونکہ قرض میں بذل نفس بھی داخل رہے گا۔ خواہ حقیقتاً خواہ مجازاً، مطلب یہ ہوا کہ اوپر بذل نفس کی ترغیب بصورت امر تھی۔ یہاں دوسرے عنوان سے اسی کی ترغیب ہے کہ تم اپنی جان اللہ تعالیٰ کو ادھار ہی دے دو۔ پھر تم کو ہی مع الزیادت (۵) واپس دے دی جائے گی مگر میں اس تفسیر پر اس لیے جرأت نہیں کرتا بلکہ صرف احتمالاً اس توجیہ کو بیان کر رہا ہوں کہ مجھے لغت یا محاورہ کی تحقیق نہیں کہ قرض کا استعمال بذل نفس میں ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ پھر اللہ تعالیٰ اس قرض کو بڑھا کر ادا کریں گے، دو گنے چو گنے کر کے دیں گے۔

سات سو سے زائد تضاعف کا ذکر

دوسری آیت سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ سات سو تک بڑھائیں گے مگر اس آیت میں بقرینہ سبب نزول اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (بڑھا چڑھا) سے سات سو سے بھی زیادہ مراد ہے، کیونکہ لباب النقول میں اس آیت کے تحت میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جب آیت مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

---

(۱) ”اگر جان مانگو مضائقہ نہیں اور اگر مال مانگو اس میں کلام نہیں“ (۲) جان کی قربانی کے ساتھ مال کی قربانی کا بھی ذکر ہے (۳) نفس کی اصلاح کرنے میں (۴) مال خرچ کرنے (۵) زیادہ کر کے واپس کی جائے گی۔

أَنۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٖ مِّاْئَةُ حَبَّةٖ [1] نازل ہوئی۔ جس میں سات سو تک تضاعف کا ذکر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رب زدنی۔ اے اللہ! ہمیں اس سے بھی زیادہ دیجئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: مَّن ذَا ٱلَّذِي يُقۡرِضُ ٱللَّهَ قَرۡضًا حَسَنٗا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥٓ أَضۡعَافٗا كَثِيرَةٗ [2] معلوم ہوا اس آیت میں سات سے زائد تضاعف کا ذکر ہے۔ اس بناء پر کم از کم سات سو سے دوگنا تو ہوگا [3] اور اگر اضعاف کی جمعیت اور اس کے اتصاف بالکثرت پر نظر کی جاوے تو پھر کچھ حد ہی نہیں رہتی۔

تضاعف فوق المتعارف

اور ایک حدیث سے تو صریح معلوم ہوتا ہے کہ تضاعف فوق المتعارف [4] ہے وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک چھوارہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے یمین [5] میں لے کر اس کو پرورش فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جبل احد [6] سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ تو اب خیال کیجئے جبل احد میں اگر تمر کے مساوی [7] حصے فرض کئے جاویں تو کتنے اجزاء نکل سکتے ہیں اور ان کا کیا عدد ہوگا [8]، پھر اگر وہ حصے تمر کے مساوی فی الوزن [9] فرض کئے جاویں تو اور بھی زیادہ عدد بڑھ جاوے گا۔ پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں احد سے بھی زیادہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ تضاعف کی کوئی حد نہیں بلکہ لا الی النہایۃ ہے [10]۔ مگر یہ لاتناہی لغی تناہی متعارف ہے [11]۔ لاتناہی عقلی نہیں۔ پھر اگر قرض کو بذل مال [12] کے ساتھ خاص رکھا جائے

(۱) ''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں اور ہر بالی کے اندر سو دانہ ہو'' سورۃ البقرۃ: ۲۶۱ (۲) ''اور کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت حصے کر دیوے'' سورۃ البقرۃ: ۲۴۵ (۳) یعنی چودہ سو گنا (۴) معروف زیادتی سے زیادہ زیادتی مراد ہے (۵) دائیں ہاتھ میں لیکر (۶) احد پہاڑ (۷) احد پہاڑ کے اگر کھجور کے برابر حصے کئے جائیں (۸) ان کا عدد اربوں، کھربوں سے بھی زیادہ ہوگا (۹) اگر پہاڑ کے حصے کھجور کے وزن کے برابر کئے جائیں تو عدد اور بھی بڑھ جائے گا (۱۰) زیادتی کی کوئی حد نہیں، لاانتہاء (۱۱) عرف میں جس کو لاتناہی کہتے ہیں (۱۲) مال خرچ کرنا۔

تب تو تضاعف (۱) میں کوئی اشکال نہیں اور اگر بذل نفس کے لیے بھی عام کہا جائے تو وہاں تضاعف کی کیا صورت۔ کیا ایک جان کی ہزار جانیں ہو جائیں گی۔ سو اول تو قدرت حق سے یہ بھی بعید نہیں۔ اس پر مجھے مولانا کا شعر یاد آتا ہے

نیم جان بستاند وصد جاں دہد — انچہ دردہ ہمت نیاید آں دہد (۲)

صد جان دہد (سو جانیں دیتے ہیں) کے کیا معنی ہیں؟ بعض نے تو کہا ہے کہ جان تو ایک ہی ہوگی مگر قوت سو کے برابر ہوگی مگر صوفیہ اس سے آگے بڑھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر حقیقتاً ایک جان سو جان ہو جائیں تو یہ بھی بعید نہیں، کیونکہ وہ دنیا میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر آخرت میں اس کا وقوع مستبعد (۳) کیوں ہے۔ حضرت قضیب البان کا قصہ ہے کہ کسی نے ان کے متعلق کسی امر منکر کی قاضی شہر کو اطلاع دی۔ وہ درہ لے کر تعزیر کی نیت سے چلے۔ وہ سامنے اس طرح نمودار ہوئے کہ بجائے ایک قضیب البان کے ستر قضیب البان قاضی کے سامنے آگئے اور کہا ان میں سے ایک کو پکڑ لو جو تمہارا مجرم ہو۔ قاضی صاحب یہ کرامت دیکھ کر معتقد ہو گئے تو وہاں سچ مچ ایک جان کی سو جان اور ایک جسم کے سو جسم ہو گئے تھے۔ اسی طرح صوفی سوندھا ایک بزرگ ہندوستان میں ہوئے ہیں، ان کے سامنے کسی نے کہا کہ ہندوؤں کہتے ہیں کرشن اوتار کی سو بیبیاں تھیں اور وہ ایک وقت میں سب کے پاس ہوتا تھا اور ہر جسم سے جدا کام کرتا تھا۔ گویا ایک کرشن سو کرشن بن جاتے تھے۔ صوفی سوندھا نے کہا نامعلوم کیسی روایت ہے، صحیح ہے یا غلط اور صحیح بھی ہو تو یہ کچھ کمال نہیں۔ پھر فرمایا ذرا اس املی کو تو دیکھو۔ مخاطب نے جو املی پر نظر کی تو ہر پتے پر صوفی سوندھا نظر آئے۔ اس کے سامنے بھی بیٹھے اور درخت کے ہر پتا پر بھی ان کا جسم مع روح نظر آ رہا تھا۔ تو جب حق تعالیٰ نے تضاعف نفس (۴) کی کرامت اپنے بندوں کو دنیا میں بھی عطا کی ہے اگر آخرت میں بھی اس کا وقوع ہو تو کیا عجب ہے اور اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر ایک حدیث کی شرح بے تکلف

---

(۱) زیادتی میں (۲) ''ضعیف و حقیر فانی جان لیتے ہیں اور باقی جان دیتے ہیں، جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا وہ دیتے ہیں'' (۳) بعید کیوں؟ (۴) متعدد جانیں۔

ہوجائے گی، وہ یہ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے مختلف دروازے ہیں، کسی دروازہ کا نام باب الصلوٰۃ ہے، کسی کا باب الزکوٰۃ، کسی کا باب الریان وغیرہ وغیرہ، جس شخص میں جو اعمال غالب ہوں گے وہ اسی دروازے سے بلایا جائے گا۔

تضاعف نفس پر دلیل

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی ضرورت تو نہیں مگر کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جو ہر دروازے سے بلایا جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بعضے ایسے بھی ہوں گے وار جوان تکون منھم مجھے اُمید ہے کہ تم بھی ان ہی میں سے ہوگے اب جو لوگ تضاعف فی النفس کے قائل نہیں وہ تو یوں کہتے ہیں کہ شخص واحد کو ہر دروازہ سے تشریفاً وتکریماً بلایا جائے گا۔ پھر وہ جس دروازہ سے چاہے گا چلا جائیگا مگر تضاعف نفس کی تقدیر پر یہ حدیث بے غبار ہوجائے گی اور یوں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ بعض بندوں کو جسم وروح متعدد (۱) عطا فرمائیں گے۔ حقیقت میں وہ ایک شخص ہوگا۔ مگر تعدد جسد سے وہ متعدد ہوگا۔ اس لیے وہ ہر دروازہ سے بلایا جائے گا اور ہر دروازہ سے الگ الگ جائے گا بھی۔ اور صاحبو! جب حق تعالیٰ کے یہاں بذل مال میں تضاعف ہوتا ہے جو نفس کے اعتبار سے اخس وارذل (۲) ہے تو بذل نفس میں تضاعف کیوں نہ ہو جو اشرف واعلیٰ ہے۔ اسی کو ایک بزرگ کہتے ہیں:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جان دیگر ست (۳)

اور اس تعدد وجسد کے احتمال پر ایک مضمون سہل ہوجاوے گا، وہ یہ کہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایک جنتی کے پاس اس قدر حور وقصور ہوں گے جو حد بصر (۴) سے بھی زیادہ، تو ظاہراً اس کا انتفاع (۵) بھی ان سب سے مدتوں کے بعد ہوا

---

(۱) بہت سے اجسام مع ارواح کے دیدیئے جائیں گے (۲) گھٹیا اور کم درجہ کا ہے (۳) ''جو لوگ تسلیم ورضا یعنی عشق کی تلوار کے مارے ہوتے ہیں غیب کی جانب سے ہر ہر گھڑی اُن کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے'' (۴) جہاں تک نگاہ نہ پہنچے (۵) ان سے لذت بھی مدتوں بعد حاصل ہوگی۔

کرے گا، لیکن اگر اجساد میں تعدد[1] ہو تو ایک ہی وقت میں ہر نعمت ولذت سے متمتع ہو سکنا سہل ہو جاوے گا[2] واللہ اعلم بحقیقتہ الحال[3] آگے ارشاد ہے: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ[4] اس میں ایک اشکال کا جواب ہے کہ تم تضاعف کو مستبعد[5] نہ سمجھو کیونکہ قبض وبسط اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کی چاہے روزی کم کر دیتے ہیں اور جس کی چاہیں روزی فراخ کر دیتے ہیں۔ پس وہ اس تضاعف لا الی النہایۃ پر بھی قادر ہیں۔ اگر قرض کو عام لیا جائے تو یہ قبض وبسط نفس کو بھی عام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہاری جان کو سمیٹتے ہیں اور وہی اس کو پھیلا بھی سکتے ہیں کہ بجائے ایک کے ہزار جانیں کر دیں اور یا اس میں تشجیع ہے بذل نفس ومال پر کہ بخل اور خوف بے کار ہے، کیونکہ مال کا قبض وبسط اسی طرح جان کا قبض وبسط خدا تعالیٰ[6] کے اختیار میں ہے۔ اگر تم نے مال یا جان کو بچانا چاہا اور انہوں نے قبض کرنا چاہا تو تمہاری تدبیر ہرگز نہ چلے گی، پھر غیر مشروع بخل وجبن فضول ہے[7]۔ آگے ارشاد ہے وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی کی طرف لے جائے جاؤ گے۔ اس میں بذل مال ونفس کی ترغیب[8] بھی ہے کہ تم کو وہاں جانا ہے تو اس کی جزاء پاؤ گے اور بخل وجبن پر ترہیب[9] بھی ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو وہاں جا کر سزا پاؤ گے اور نیز اس میں اس قرض سے جو ایک مانع پیش آتا ہے اس میں اس مانع کو رفع کیا گیا ہے مثلاً مال خرچ کرنے سے یہ امر مانع ہوتا ہے کہ انسان سوچتا ہے کہ یہ مال میرے پاس رہتا تو اس سے بہت کام نکلتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ہی یہاں رہنے والے نہیں ہو بلکہ ایک دن خدا کے پاس جانے والے ہو تو مال تمہارے پاس کیوں کر رہ سکتا ہے ایک نہ ایک دن اس کو چھوڑ کر جاؤ گے اس لیے بہتر ہے کہ اس کو خزانہ عامرہ میں داخل کر دو جہاں سے اضعافا مضاعفہ ہو کر تم کو واپس مل جائے گا اور

---

(۱) اگر جسم کئی ہوں (۲) ہر نعمت ولذت سے مستفید ہونا آسان ہوگا (۳) "حقیقت حال کو اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں" (۴) "اللہ ہی کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں" سورۃ البقرۃ: ۲۴۵ (۵) اتنی زیادہ زیادتی کو بعید نہ سمجھو (۶) مال وجان میں کمی زیادتی اللہ کے اختیار میں ہے (۷) جہاں شریعت نے اجازت نہ دی ہو وہاں کنجوسی کرنا بیکار ہے (۸) جان ومال خرچ کرنے کی (۹) بخیلی اور کنجوسی سے ڈرایا گیا ہے۔

اگر لفظ قرض کو بذل نفس کے لیے بھی عام مانا جاوے تو اس جملہ میں بذل نفس کی بھی ترغیب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جان دینے سے بخل نہ کرو کیونکہ ایک دن تم کو جانا ہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان چلی جائے اور تم کو شہادت نصیب ہوجائے جس کا صلہ یہ ہے کہ نفس میں بھی تضاعف ہوگا ایک جان کے بدلے تم کو ہزار جانیں ملیں گی اور نیز یہ مضمون الیہ ترجعون (اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) کا ایسا ہے کہ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو طاعون سے وحشت بالکل نہ ہو دل کو یوں سمجھا لیا جائے کہ ایک دن موت ضرور آئے گی بھاگنے سے بھی جان بچ نہیں سکتی اور یہاں رہ کر موت آئی تو شہادت نصیب ہوگی اور جہاد کے برابر ثواب ملے گا پھر بھاگنا فضول ہے اور واقعی موت ایسی چیز ہے کہ تدابیر سے ٹل نہیں سکتی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں: قُل لَّن يَنفَعَكُمُ ٱلْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ ٱلْمَوْتِ أَوِ ٱلْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا (1) کہہ دیجیے کہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہ دے گا اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے اور بھاگ کر چند روز کو بچ بھی گئے تو بجز قلیل مدت کے تم زندگی کے (زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے اس کے مناسب بعض واقعات ذکر کرتا ہوں۔

موت سے فرار ناممکن ہے

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بستی میں بھیڑیا آتا تھا لوگ اس سے بہت خائف تھے ایک عورت کی مارے خوف کے یہ حالت ہوئی کہ باوجود سخت گرمی کے اپنے بچہ کو کوٹھری کے اندر لیجا کر سوئی اتفاق سے رات کو چوروں نے اس کوٹھری میں نقب دیا مگر آدمی کے سانس کی آواز سن کر بھاگ گئے اور اسی نقب میں سے بھیڑیا آکر بچہ کو لے گیا اور اس عورت کی وہی تدبیر جو بھیڑیے سے بچنے کے لیے کی گئی تھی بچہ کی ہلاکت کا سبب ہوگئی۔

ایک جگہ ایسا قصہ ہوا کہ سات آدمی سفر کو جا رہے تھے راستہ میں بارش ہونے

(1) سورۃ الاحزاب:۱۶۔

لگی تو ان لوگوں نے ایک بستی میں پناہ لی۔ بارش کے ساتھ بجلی اور کڑک بھی تھی اور بجلی بار بار اسی بستی پر آتی تھی اور ہٹ جاتی تھی ان سات آدمیوں کو جہل سے یہ خیال ہوا کہ شاید ہم میں سے کسی کی موت آگئی ہے جس پر بجلی گرنا چاہتی ہے مگر چونکہ سب کی موت مقدر نہیں اس لیے ہٹ جاتی ہے تا کہ ایک کے ساتھ سب ہلاک نہ ہوں یہ سوچ کر سب نے مشورہ کیا کہ ایک ایک کر کے سب کو اس بستی سے نکلنا چاہئے تا کہ جس کی موت آئی ہو بجلی اسی پر گر پڑے سب تو ہلاک نہ ہوں گے چنانچہ ایک آدمی نکلا جب چھ نکل آئے اور ان میں سے کوئی ہلاک نہ ہوا تو اب ساتواں نکلنے سے رک گیا وہ سمجھا کہ بس میرے ہی واسطے موت مقدر ہے ہر چند سب نے اصرار کیا مگر وہ انکار ہی کرتا رہا آخر کار یہ چھ آدمی بستی میں گھسے اور اس کو جبراً باہر نکال دیا وہ باہر آیا اور یہ چھ آدمی اندر رہے کہ دفعتاً بجلی بستی کے اوپر گری اور وہ چھ کے چھ آدمی ہلاک ہو گئے اور ساتواں بچ گیا بتلایئے انہوں نے تو اپنے بچنے اور ساتویں کے مارنے کی تدبیر کی تھی مگر یہ خبر نہ تھی کہ ہم اپنے آپ کو ہی ہلاک کرنے کی تدبیر کر رہے ہیں اور ساتویں کو بچانے کے لیے بستی سے نکال رہے ہیں یہ ساتواں شخص ان سب کا وقایہ (۱) تھا اسی کی وجہ سے وہ سب بچے ہوئے تھے جب یہ الگ ہو گیا سب ہلاک ہو گئے ایسا ہی ایک واقعہ سنا تھا کہ مکان میں بہت سے چور گھسے گھر میں جا کر دیکھا کہ ایک میاں اور ایک بیوی اندر پڑے سو رہے ہیں انہوں نے آہستہ آہستہ ان دونوں کا پلنگ باہر نکال دیا تا کہ اطمینان سے چوری کریں ان دونوں کا پلنگ باہر کر کے چور لوگ اندر گھسے دفعتاً مکان کی چھت گر پڑی اور سب وہیں دب کر مر گئے وہ مرد عورت جو جاگے تو دیکھا کہ ہمارا پلنگ اندر سے باہر ہے اور مکان کی چھت گری پڑی ہے۔ بڑی حیرت ہوئی کہ ہمارا پلنگ اندر سے باہر کیسے آگیا جب تختہ کڑی ہٹایا گیا تو چوروں کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ اب وہ ان چوروں کے آنے پر خدا تعالیٰ کا شکر کرنے لگے حالانکہ چوروں سے تو پناہ مانگا کرتے ہیں۔ غرض ایسے بہت واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موت سے بچنا ممکن نہیں اور جو اسباب موت سے

(۱) ان سب کو بچانے کا سبب۔

بچنے کے لیے ہم اختیار کرتے ہیں وہ فی نفسہ موثر نہیں بلکہ بعض دفعہ وہی ہلاکت کا سبب ہوجاتے ہیں تو بھاگنے ہی سے کیا ہوگا بس جو کچھ ہوتا ہے حکم سے ہوتا ہے پھر فکر کیوں ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ طاعون سے بچنے کی اگر تدبیر ہی کرنا چاہتے ہوتو بڑی تدبیر یہ ہے کہ فکر نہ کرو جس کا لازمی نتیجہ عدم فرار ہوگا (۱) کیونکہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل فاعل اور دافع مرض طبیعت ہے اور اصل علاج طبیعت کو قوی کرنا ہے۔ اور اصل سبب مرض ضعف طبیعت ہے۔ اور ضعف طبیعت کا بڑا سبب خوف اور فکر ہے۔ پہلے زمانہ میں جو امراض کم ہوتے تھے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اس وقت عام طور پر بے فکری تھی گو اسباب تنعم کم تھے (۲) بے فکری کے سبب ان لوگوں کے طبائع اور دل قوی تھے اس لیے امراض پاس بھی نہ آتے تھے اور آج کل گو اسباب تنعم زیادہ ہیں مگر اس کے ساتھ افکار بھی زیادہ ہیں اس لیے امراض کی بھی کثرت ہے تو بیماری سے بچنے کی بڑی دوا بے فکری ہے کیونکہ اصل دافع مرض (۳) طبیعت ہی ہے اور اس کو بے فکری سے قوت ہوتی ہے اور اس مسئلہ طبیہ کی صحت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ طرق علاج معالجین میں مختلف ہیں اور سب ہی سے نفع بھی ہوتا ہے یعنی علاج تین قسم کے ہیں ایک تو انگھڑ جس کا کوئی اصول ہی نہیں وہ تو ڈاکٹری ہے اس کا مدار کسی قاعدہ پر نہیں کہ علاج بالضد ہو یا بالمثل بلکہ تجربہ پر مدار ہے بس تجربہ ہوگیا کہ کیننن دوائے امراض کونین ہے تو لگے ہر بخار میں کونین استعمال کرنے پھر غضب یہ کہ ان کی دوائیں سب بنی بنائی ولایت سے آتی ہیں اور قاعدہ ہے کہ مرکب دوا کی شناخت نہیں ہوسکتی کہ اس میں کیا ہے کیا نہیں بس ولایت سے چٹ لگ کر آگئی اور یہ ایمان بالغیب یا ایمان بالعیب سے علاج کرنے لگے اور اگر کبھی چٹ لگانے میں غلطی ہوگئی یا ڈاکٹر سے چٹ کے پڑھنے میں خطا ہوگئی چنانچہ ایسا بھی ہوجاتا ہے تو ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر الگ ہوگئے کہ ہم سے غلطی ہوگیا معافی مانگتا ہے۔

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

---

(۱) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس جگہ سے بھاگو گے نہیں (۲) راحت و آرام کا سمان کم تھا (۳) مرض کو دور کرنے والی۔

علاج کی دو قسمیں

اور ایک علاج گھڑت کا ہے جس کے اصول وضوابط منضبط ہیں پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک علاج بالضد جیسا کہ یونانی میں ہے۔ یہ گرمی کا علاج سردی سے اور سردی کا گرمی سے کرتے ہیں اور رطوبت کا یبس (۱) سے یبس کا رطوبت سے کرتے ہیں دوسرا علاج بالمثل ہے یہ لوگ گرمی کا گرمی سے اور سردی کا سردی سے علاج کرتے ہیں اور ان دونوں میں سخت اختلاف ہے۔ ہر ایک دوسرے کے علاج کو غلط بتلاتا ہے۔ اب اگر دوا فاعل (۲) ہوتی ہے اور اس سے مرض دفع ہوا کرتا تو ان طرق میں سے ہر اک نافع (۳) نہ ہوتا بلکہ جس کے اصول صحیح ہوتے اس سے نفع ہوتا اور جس کے اصول غلط ہوتے اس سے ضرر (۴) ہوتا اور چونکہ اصول میں تخالف وتباین ہے (۵) اس لیے دونوں یقیناً صحیح نہیں بلکہ ان میں ضرور ایک غلط ہے مگر مشاہدہ ہے کہ دونوں سے نفع ہوتا ہے ور ڈاکٹری سے بھی نفع ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہی بات صحیح ہے کہ اصل دافع مرض (۶) طبیعت ہے، دوا فاعل صحت یا دافع مرض نہیں (۷)، سو جس شخص کو جس طریق علاج سے اعتقاد ہوتا ہے اس علاج کے شروع ہو جانے سے اس کی طبیعت کو قوت شروع ہو جاتی ہے اور یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے کہ اب میں اچھا ہو جاؤں گا۔ اس اعتقاد سے طبیعت کو قوت ہوئی اور مرض زائل ہونا شروع ہوا اور ظاہر ہے کہ بے فکری سے طبیعت کو بہت قوت ہوتی ہے۔ پس طاعون کا بڑا علاج یہ ہے کہ فکر نہ کرو، تم کو اپنی قوت قلب کی تاثیر کا اندازہ نہیں ہے (۸)، ورنہ یہ قوت قلب وہ چیز ہے کہ اس سے امراض بھی ڈرتے ہیں اور جن وشیاطین بھی ڈرتے ہیں۔ دیکھو انگریزوں پر آسیب اور بھوت کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان کے منکر ہیں، ان کے وجود کے قائل نہیں ہیں اور ہندوؤں پر زیادہ اثر ہوتا ہے، کیونکہ وہ سب سے زیادہ ان کی تاثیر کے قائل ہیں، اس لیے ان سے ڈرتے بھی

---

(۱) تری کا خشکی سے (۲) موثر ہوتی (۳) فائدہ نہ ہوتا (۴) نقصان (۵) ایک دوسرے کے خلاف ہیں (۶) مرض دور کرنے والی (۷) دواء سے نہ صحت ہوتی ہے نہ مرض دور ہوتا ہے (۸) دل کی طاقت کے موثر ہونے کا۔

ہیں اور ہندوؤں سے کم جاہل مسلمان پر اثر ہوتا ہے، کیونکہ وہ ہندوؤں کے برابر تو ان کے قائل نہیں مگر اختلاط کی وجہ سے جہلا کا کچھ کچھ اعتقاد ہے۔ بس جتنا جو شخص ان سے ڈرتا ہے اتنا ہی اس پر اثر ہوتا ہے اور جو بے فکر ہے اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ مگر بے فکری کی تحصیل کے لیے حقائق کا انکار جائز نہیں، جیسے اہل یورپ کہ وجود جن ہی کے منکر ہیں، بلکہ بے فکری اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ جن بدون اذن الٰہی (1) کے کچھ نہیں کرسکتے، البتہ جس حقیقت ہی کا ثبوت شروع سے نہ ہو وہاں انکار حقیقت اعلیٰ طریق ہے بے فکری کا جیسا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا عدوی (2) کہ کوئی بیماری (طاعون وغیرہ) دوسرے کو نہیں لگتی۔ تو جس شخص کا یہ اعتقاد ہوگا طاعون سے کس قدر بے خوف ہوگا۔ کوئی طبیب اس سے اچھا علاج نہیں بتلاسکتا۔ بہر حال اگر تدبیر ہی کرنے کا شوق ہے تو یہ عدم فکر ہی بڑی تدبیر ہے مگر اس تدبیر میں یہ وہم نہ کرنا کہ شاید شیاطین وجن بھی بے فکری کا سبق سیکھ لیں تو پھر ان کو بھی قوت ہوجائے گی۔

ایک ذہین بچہ کی حکایت

جیسے مثنوی میں ایک قصہ ہے کہ ایک لڑکے سے اس کی ماں نے کہا کہ بیٹا جنگل میں بھوت پریت دیکھو تو ان سے ڈرنا نہیں، خوف نہ کرنے سے وہ بھاگ جائیں گے۔ بچہ نے کہا کہ اگر اس کی ماں نے بھی اس کو یہی سکھا دیا ہو کہ انسان سے ڈرنا نہیں تو بھلا پھر وہ کیوں بھاگے گا۔ لڑکا بڑا ہوشیار تھا تو خدا کے لیے آپ اس وہم سے کام نہ لیں اور بے فکر رہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ چین سے رہو گے۔ شیاطین میں اتنی قوت نہیں کہ وہ آپ سے یہ سبق سیکھ کر بے خوف ہو کر رہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شریعت نے جو وہاں گوں سے فرار کو منع فرمایا ہے یہ تدبیر کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ یہ سب سے بڑی تدبیر ہے اس سے محفوظ رہنے کی۔ چنانچہ دوسری تدابیر کو بھی منع فرمایا۔ چنانچہ حفظ ماتقدم کے لیے گولیاں کھانا اور گندھک کی دھونی دینا جائز ہے بلکہ ایسا کرنا چاہیے، اسی طرح

---

(1) اللہ کی اجازت کے بغیر (2) مجمع الزوائد: ۵/ ۱۰۲۔

مکان کی صفائی رکھنی چاہیے، پاخانہ میں فنائل بھی چھڑک دیا کرو، کوئی بیمار ہوجائے اس کی دوا دارو بھی کرو اور سب سے بڑی تدبیر یہ بھی کرو کہ فکر نہ کرو، اس سے طبیعت اور قلب میں قوت ہوگی جس سے مرض دفع ہوگا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اطباء ڈاکٹر جو مقام طاعون سے بھاگنے کی اور اس کے مریض سے الگ رہنے کی رائے دیتے ہیں وہ دراصل انسان کو مرض کا قابل بناتے ہیں، کیونکہ بھاگنے والے کا دل کمزور ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص طاعونی مریض سے پرہیز کرے گا وہ بھی ضعیف القلب ہوگا۔ تو یہ لوگ طبیعت کے ضعیف کرنے کا سامان کر رہے ہیں۔

طبائع کو دافع مرض بنانے کا نبوی نسخہ

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی [1] فرما کر مسلمانوں کی طبائع کو قوی بنا کر ان طبائع کو فاعل صحت اور دافع مرض [2] بنا رہے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر پورا اعتقاد کرلیں، کیونکہ واقعی اس سے بڑھ کر تقویت قلب کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی کہ لوگوں کے دلوں میں یہ مضمون جما دیا جائے کہ بیماری لگتی نہیں ہے جس کا اعتقاد یہ ہوگا وہ نہایت قوی القلب ہوگا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرار کی ممانعت کرکے بھی مسلمانوں کو قوی القلب بنانا چاہا ہے کہ طاعون سے ڈرو نہیں، بے فکر ہوکر وہیں رہو اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ ہوگا حکم سے ہوگا جس کی موت آچکی ہے وہی مرے گا، جس کی نہیں وہ ہرگز نہیں مرسکتا۔ پھر طاعون کے فضائل بیان فرما کر اس کو اور مؤکد کردیا کہ بجائے خائف ہونے کے مسلمانوں کو طاعون کا مشتاق [3] بنا دیا۔ اسی تدبیر تقویت طبیعت کا تتمہ ایک یہ تدبیر ہے کہ باہم بیماری کا تذکرہ نہ کرو کہ آج اتنے بیمار ہوئے اور اتنے مرے۔ اس سے طبیعت کمزور ہوتی ہے۔ خصوصاً عورتوں کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں اس تذکرہ کو بند کریں۔ ان کے یہاں راوی اس کثرت سے ہیں کہ مردوں کو تو باہر کے واقعات کی خبر کم ہوتی ہے مگر اس خفیہ پولیس کو ساری خبریں ملتی رہتی ہیں۔ نہ معلوم ان سے کون کہہ جاتا

---

(۱) "کوئی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی" الزوائد: ۵/ ۱۰۲ (۲) صحت دینے والی اور مرض کو بھگانے والا بنا رہے ہیں (۳) دل میں شوق پیدا کردیا۔

ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اول تو تفویض وتسلیم (۱) کی نیت سے ہم کو بے فکر ہونا چاہئے اور اگر کسی کو تفویض وتسلیم حاصل نہیں تو وہ تدبیر ہی کی نیت سے بے فکری کو اختیار کرے اس سے مادہ قابلہ طبائع میں سے نکل جائے گا تو طاعون خود ہی جاتا رہے گا (۲)۔ پھر اس میں دنیا کی بھی راحت ہے کہ سارے کام اپنے اپنے موقع پر ادا ہوتے رہتے ہیں اور پریشانی سے سارے کام خراب ہوتے ہیں اور دین کا بھی نفع ہے، کیونکہ جو شخص بے فکر ہوگا اگر اسے موت بھی آئے گی تو اطمینان سے توبہ واستغفار کرکے مرے گا اور فکرمند کے تو مرض ہی سے حواس باختہ (۳) ہوجائیں گے۔ موت کو دیکھ کر تو نہ معلوم کیا حال ہوگا۔

حکایت مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم

مفتی عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم الصیغہ کے مصنف حج کو تشریف لے گئے تھے۔ شاید واپسی کے وقت جہاز طوفان میں آگیا، بعض مسافر جو اس جہاز سے بچ کر نکل آئے تھے وہ کہتے تھے کہ جس وقت جہاز غرق ہونے لگا تو تمام مسافروں میں کہرام مچا ہوا تھا مگر مفتی عنایت احمد صاحب بڑی بے فکری سے بیٹھے ہوئے یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوۡلَىٰنَاۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ (۴) بتلایئے طوفان کے وقت جبکہ معلوم ہے کہ جہاز غرق ہونے والا ہے ایسا استقلال کس چیز کی بدولت تھا، اسی بے فکری کی بدولت، مگر انہوں نے یہ بے فکری تدبیر کے طور پر اختیار نہ کی تھی بلکہ رضا وتسلیم کا اثر تھا، لیکن کوئی تدبیر کے طور پر بھی بے فکری اختیار کرے تو راحت تو اس کو بھی میسر ہوجائے گی۔ بس

(۱) اپنے کو اللہ کے حوالے کرتے اور اس کے حکم کے آگے سر جھکانے کی نیت سے (۲) یہی سب علاجات آج کل کورونا سے بچنے کے لیے بھی اختیار کرنے چاہئیں کہ روزانہ اموات کا تذکرہ نہ کریں اور اپنے اعتقاد کو مضبوط کریں اور بے فکری اختیار کریں کہ بغیر اللہ کے چاہے کسی کو یہ مرض نہیں لگ سکتا۔ اور جب اللہ ہی نے مقدر کردیا تو کوئی بچ نہیں سکتا البتہ تدبیر اختیار کرنے کی ممانعت نہیں آج کل اس مرض کے بڑھنے کی وجہ بھی غالباً ٹی وی اور موبائل پر ہر وقت اموات کا تذکرہ ہے (۳) حواس خراب ہوں گے (۴) ''آپ فرمادیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑسکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمادیا، وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے کام سپرد رکھنے چاہئیں'' سورۃ التوبہ: ۵۱۔

اب میں ختم کرتا ہوں اور خلاصہ بیان کا اعادہ کرتا ہوں۔ حاصل سارے بیان کا یہ ہے کہ عام لوگوں کو جو اس وقت پریشانی اور بدحواسی میں مبتلا ہیں اس کا سبب حق تعالیٰ سے بے تعلقی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے تعلق محبت پیدا کیا جائے۔

طریق حصولِ محبت الٰہی

جس کا طریقہ میں نے یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کو کثرت سے یاد کیا جائے اور ایک وقت ذکر اللہ کے لیے مقرر کیا جائے اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جاوے۔ اس طرح سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں محبت پیدا ہو جائے گی چاہیے آپ متقی پرہیزگار بھی نہ بنیں مگر عاشق ومحب ضرور ہو جائیں گے۔ بس اب مجھے یہ کہنا تھا اور اس مضمون کو میں نے اس لیے اختیار کیا تھا کہ مجھے قوی اُمید ہے کہ لوگ اس کو تو ضرور قبول کرلیں گے کیونکہ میں یہ نہیں کہتا کہ تم آج ہی سارے گناہوں کو چھوڑ دو، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ آج سے ہی سب کے سب پکے نمازی بن جاؤ، بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو روزانہ یاد کرلیا کرو اور کسی وقت تھوڑی دیر اللہ اللہ کرلیا کرو اور تھوڑی دیر اللہ والوں کے پاس جا بیٹھا کرو، چاہے اس کے ساتھ شرارت بھی کرلیا کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ شرارتوں کے ساتھ بھی تم عاشق بن جاؤ گے اور عشق کی یہ خاصیت ہے کہ

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت　　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت[1]

وہ تمام پریشانیوں کو جلا پھونک کر رکھ دے گا اور آپ ایسا کرکے تو دیکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ میں طاعون ہی نہ رہے گا۔ کانپور میں ایک دفعہ میرے سامنے جب طاعونی انتظامات کا حکم آیا تو لوگ بہت پریشان ہوئے اور عمائد شہر نے ارادہ کیا کہ کلکٹر صاحب کے پاس ایک وفد جائے اور جا کر عرض کرے کہ ان انتظامات کو اٹھا لیا جائے۔ اس وفد میں لوگوں نے مجھے بھی لے جانا چاہا، میں نے انکار کیا، لوگوں نے اصرار

(۱) ’’عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے سوائے محبوب کے سب کو فنا کردیتا ہے‘‘۔

کیا، میں نے کہا اچھا میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کرلوں۔ اس وقت میرے پاس دیوان حافظ تھا اور میں اکثر تفریح طبع کے طور پر اس سے فال لے لیا کرتا ہوں جس میں میرا یہ اعتقاد نہیں کہ نعوذ باللہ حافظ صاحب آ کر کچھ کہہ جاتے ہیں بلکہ یہ خیال ہے کہ یہ کلام ایک مقبول بندہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ہماری تسلی کے لیے کوئی بات موقع کی مناسب نکال دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بسم اللہ کر کے دیوان کو کھولا تو شروع ہی صفحہ پر یہ شعر تھا۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظ مخروش　　　رموز مملکت خویش خسرواں دانند(۱)

کیسا موقع کا شعر نکلا، میں نے کہا صاحبو! مجھے تو اس شور و شغب میں شرکت سے منع کیا گیا ہے کہ فقیر کو امور سلطنت میں دخل نہ دینا چاہیے۔ لوگوں نے کہا پھر ہمارے واسطے کیا رائے ہے۔

ازالہ بلا کا ایک ورد (کرونا سے بچاؤ کا وظیفہ)

میں نے کہا تم بھی حکام سے کچھ نہ کہو، خدا تعالیٰ سے کہو اور تم روزانہ پانچ سو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کا وظیفہ پڑھ لیا کرو۔ خواہ دو تین آدمی پڑھ لیں یا بہت سے مجتمع ہو کر پڑھ لیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ سے دعا کریں۔ اس وقت میری زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ میں بلا ٹل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک ہی ہفتہ کے اندر خود کلکٹر نے لکھ دیا کہ یہاں طاعون وغیرہ کا کوئی اثر نہیں، اس لیے جدید انتظام کا حکم موقوف کیا جائے۔ اسی طرح میں خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر یہاں بھی کہتا ہوں کہ آپ اس طریقہ پر عمل کر کے دیکھیں، ان شاء اللہ ایک ہفتہ میں سکون ہو جائے گا۔ اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی محبت عطا فرمائیں اور پریشانیوں کو دور فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

(۱) "حافظ تو گوشہ نشین ہے، شور و غل مت کر، اپنی سلطنت کے رموز کو بادشاہ ہی جانتے ہیں"

الملفوظات المسمّٰی بہ الطاحون لمن فر من الطاعون

مورخہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ بعد نماز جمعہ بسلسلہ ذکر طاعون فرمایا

علاج کے تین طریقے

طبی تحقیق میں اصل فاعل صحت طبیعت ہے اور علاج اس کا مؤید ہے[1]۔ چنانچہ علاج کے تین طریقے متعارف ہیں۔ علاج الضد[2] تو یونانی کرتے ہیں اور علاج بالمثل ہندی[3] کرتے ہیں اور علاج بالخاصہ ڈاکٹر کرتے ہیں اور اس کا مدار نہ مثل پر ہے نہ ضد پر بلکہ تجربہ پر ہے[4] خواہ بالمثل ہو یا خواہ بالضد، اس کا کچھ لحاظ نہیں، وہ یہ جانتے ہیں کہ کونین بخار کو مفید ہے بس، لیکن یہ طریق مہمل ہے۔ بہر حال عقلاً سب طریق صحیح نہیں ہو سکتے کہ باہم متنافی ہیں[5]، پھر بھی سب نافع[6] ہوتے ہیں۔

اصل دافع مرض طبیعت ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اصل دافع مرض طبیعت ہے۔ چونکہ ہر طریق کا نافع سمجھنے والا اس کا معتقد ہے، اس سے اس کی طبیعت میں قوت ہوتی ہے، اس سے مرض دفع ہو جاتا ہے اور اصل فاعل طبیعت ہے تو جس قدر طبیعت قوی ہوگی اسی قدر مرض کو دفع کرے گی، تو صاحب شریعت نے طبیعت کے قوی بنانے کا کیا عجیب انتظام فرمایا، کیونکہ ارشاد فرمایا: لا عدوی[7] اور ظاہر ہے جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا اس کی طبیعت نہایت قوی ہوگی اور وہ مرض کی کچھ پرواہ نہ کرے گا بخلاف اس کے ضعف میں اتنا ہی مرض سے متاثر ہوگا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں قاری عبد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کسی مقام کے ایک نواب صاحب کی بیوی حج کو آئی تھیں بیمار ہو گئیں کسی وبائی مرض میں تو

---

(۱) طبی تحقیق کے مطابق صحت ہونے کا اصل ذریعہ طبیعت انسانی ہے اور علاج سے اس کو تقویت ہوتی ہے (۲) مرض اگر گرمی سے ہے تو علاج ٹھنڈی دواء سے کیا جائے (۳) گرمی کا علاج گرم دواء سے (۴) ڈاکٹروں کا علاج تجربہ پر مبنی ہے جس دواء کو مفید پایا اسی سے علاج کر لیا چاہے گرم ہو یا سرد (۵) ایک دوسرے کے منافی ہیں (۶) مفید (۷) "کوئی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی"۔ مجمع الزوائد: ۵/ ۱۰۲۔

نواب صاحب بہت پریشان ہوئے۔ دوسرے روز حرم شریف میں ایک جنازہ آیا تو ہم نے سمجھا کہ نواب صاحب کی بیوی بیمار تھیں، انہیں کا انتقال ہوگیا ہوگا، بعد میں معلوم ہوا کہ نہیں نواب صاحب خود انتقال کر گئے اور ان کی بیوی بعد میں اچھی ہوگئیں۔ یہ نواب صاحب کی پریشانی اور کمزوری طبیعت کی وجہ ہوئی۔ ہمارے ایک مولوی صاحب جنہوں نے بہشتی زیور تالیف کرنا شروع کیا تھا، ان کی بیوی بیمار ہوئیں طاعون میں۔ مولوی صاحب چونکہ نہایت ضعیف القلب تھے، بہت پریشان ہوگئے، بیوی کو تو صحت ہوگئی مگر مولوی صاحب اس مرض میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئے۔

قوت قلب کا اثر

قوت قلب کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ بیمار سے چمٹے رہے اور کچھ نہیں ہوا۔ ایک حکیم صاحب تھے امیر احمد نانوتوی، ان کے یہاں بستی میں طاعون ہوا۔ برابر مریضوں کو دیکھنے جاتے اور دوا بنا کر دیتے اور مریضوں کا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ کر دوا پلاتے۔ فرماتے تھے دس فیصدی فوت ہوئے اور نوے فیصدی اچھے ہوگئے اور حکیم صاحب کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اچھے خاصے رہے، تو عقلاً بھی اس سے فرار مضر ہے[۱] کہ مورث ضعف ہے[۲] اور شرعاً تو منہی عنہ[۳] ہی ہے۔ چنانچہ فار من الطاعون کو فار من الزحف سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں جو طاعون کو جہاد سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ دو چار دن ہوئے سمجھ میں آئی ہے (ممکن ہے کہ کسی کو اور وجہ معلوم ہو) تشبیہ تو ان حدیثوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک حدیث تو یہ ہے۔ الفار من الطاعون کالفار من الزحف[۴] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاعون جہاد کی طرح ہے اور طاعون سے بھاگنے میں ویسا ہی گناہ ہے جیسا کہ جہاد سے بھاگنے میں۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ قیامت کے دن جو لوگ طاعون سے مرے ہیں ان کے بارے میں نزاع[۵] ہوگا۔ جو لوگ جہاد میں شہید ہوئے ہیں وہ لوگ تو یہ کہیں گے کہ طاعون

(۱) نقصان دہ (۲) کمزوری پیدا کرتا ہے (۳) شریعت نے تو اس کو منع ہی کیا ہے (۴) "طاعون سے بھاگنے والا میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کی مثل ہے" مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۵۷ (۵) جھگڑا۔

والے ہمارے بھائی ہیں، ہمارے ساتھ رہیں، کیونکہ ہماری طرح فرش پر بیمار پڑکر مرے ہیں۔ اس کے بعد حکم ہوگا کہ ان کے زخموں کو ملاحظہ کیا جائے۔ تو ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہوں گے، ویسے ہی خوشبودار ہوں گے اور ان کے زخموں سے خون بہتا ہوگا۔ تو پھر وہ شہداء کے ساتھ ملادئے جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طاعون والے شہداء کی طرح ہیں اور طاعون جہاد کے مشابہ ہے۔

اہل طاعون مثل شہداء

اسی واسطے طاعون کے علاوہ اور کسی بیماری سے فرار کونہیں منع فرمایا۔ اب وجہ تشبیہ کی بیان کرتا ہوں۔ وجہ تشبیہ کی سمجھنے سے پہلے یہ غور کیا جائے کہ جہاد میں جو فرار سے منع فرمایا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ یعنی جب مسلمان اور کافر تعداد میں مساوی ہوں یا کافر مسلمان سے دو چند ہوں اور سامان وغیرہ بھی موجود ہو تو اس صورت میں فرار سے منع فرمایا ہے۔ گوکسی کو قرائن سے یہ بھی یقین ہو کہ کافر غالب ہوجائیں گے تو بھی شریعت نے بھاگنے کی اجازت نہیں دی۔ گو عقل کا مقتضا یہ تھا کہ اس صورت میں جان کی حفاظت کرنا چاہئے اور پھر دوسرے وقت موقع پاکر جنگ کی جاوے۔ مگر شریعت نے علی الاطلاق فرار سے منع فرمایا۔ گو ایک مسلمان بھی اس میدان میں نہ بچے اور سب لوگ شہید ہوجاویں گے مگر فرار کی اجازت نہیں۔ تو وجہ عدم اجازت کی یہ ہے کہ فرار میں کفار کو حوصلہ ہوجائے گا اور وہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ کسی لائق نہیں، کچھ نہیں، بے ہمت ہیں۔ اس سے کفار کا دل بڑھ جائے گا، پھر مسلمانوں کو ایذا دینے کا ان کو حوصلہ ہوجائے گا اور اگر مسلمان نہ بھاگے خواہ غالب آگئے یا سب مارے گئے تو دونوں صورتوں میں کفار کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور ان کا حوصلہ پست ہوجائے گا اور یہ سمجھیں گے کہ بڑی سخت قوم ہے، جان دینا تو ان کو آسان ہے مگر ان کا بھاگنا مشکل ہے۔ تو غلبہ کی صورت میں بھی اور مغلوب ہوجانے کی صورت میں بھی۔ غرض دونوں صورتوں میں مسلمانوں کی ہیبت

کفار کے دلوں پر بیٹھ جاوے گی اور آئندہ جنگ کرنے کا حوصلہ نہ کریں گے۔ اس واسطے فرار کو منع فرمایا ہے۔ جب جہاد سے فرار کے منع ہونے کی وجہ معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ طاعون جہاد کی طرح ہے تو اب طاعون سے فرار کے منع ہونے کی وجہ سنیے۔ وہ یہ کہ ایک حدیث میں آیا ہے الطاعون من وخز الجن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون شیاطین کے طعن اور ایذا سے ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے شیاطین کو کچھ قدرت دے رکھی ہے کہ مسلمانوں کو ایذا دے سکیں۔ جیسا قرآن میں ہے: رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ [(۱)] باقی اور نصوص [(۲)] سے بھی معلوم ہوتا ہے تو گویا طاعون بھی کفار و شیاطین سے ایک قسم کی جنگ ہے اور طاعون سے بھاگنے میں شیاطین کو حوصلہ ہوجائے گا کہ مسلمان ہم سے ڈر گئے اور آئندہ ایذا دینے اور اغوا کرنے کا حوصلہ ان کا بڑھ جائے گا۔ اسی واسطے وہیں رہنا چاہئے جہاں طاعون ہے۔ بھاگنا نہ چاہیے، تاکہ شیاطین کا حوصلہ نہ بڑھے۔ پس بعض علماء نے (مثلاً درمختار میں) جو یہ لکھا ہے کہ اگر اعتقاد فاسد نہ ہو تو بغرض علاج وہاں سے چلا جانا جائز ہے۔ جب کہ یہ نیت ہو کہ یہ جانا بطور علاج ہے اور موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، البتہ جبکہ یہ نیت نہ ہو کہ جب جائیں گے تب بچ جائیں گے اور رہ جائیں گے تو مرجائیں گے۔ تو اس صورت میں جانا جائز نہیں اھ۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اور نہ صاحب مذہب سے یہ منقول ہے، یہ متاخرین کا استنباط ہے، کیونکہ اس تقریر سے تو ہر بیماری سے جانا منع ہونا چاہئے، کیونکہ فساد اعتقاد ہر حال میں ممنوع ہے اور میری اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ طاعون میں علاج کرنا جائز ہے، کیونکہ جب طاعون جہاد کی طرح ہے تو جہاد میں فرار کے سوا باقی سب تدابیر جائز ہیں، جیسے اسلحہ گولہ بارود ہر میں بھی علاج اور ہر طرح کا انتظام جائز ہے۔ مگر یہاں بھی بھاگنا جائز نہیں تاکہ شیاطین کو حوصلہ اور ہمت نہ ہو اور

---

(۱) "میرے پروردگار! شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے" سورۂ ص: ۴۱ (۲) اس کے علاوہ وہ آیات واحادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

شیاطین کے مقابلہ میں قوت کے مطلوبیت کی طرف قرآن میں بھی اشارہ ہے۔ مگر لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حصر کے الفاظ سے فرمایا ہے: اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ (۱) اور عجیب بات ہے کہ اور لوگوں کا غلبہ تو اپنے دشمنوں پر ہوتا ہے مگر شیطان کا غلبہ اپنے ہی دوستوں پر ہوتا ہے۔

شیطان سے بچنے کی صورت

بس شیطان سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ اس سے دشمنی رکھے اور اس سے نہ ڈرے (اسی سلسلہ میں ابن عطا سکندری کا نقل کیا ہوا ایک واقعہ ذکر فرمایا) کوئی بزرگ ایک پہاڑی (۲) میں رہتے تھے۔ ایک شخص ان کی زیارت کو گیا۔ اس نے غار کے باہر سے سنا کہ انہوں نے اعوذ پڑھی اور پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد فرمانے لگے کہ اے شیطان تو خوش ہوا ہوگا اور یہ سمجھتا ہوگا کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور تجھ ہی سے ڈر کر ایسی بڑی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں، ہرگز نہیں۔ تو میرا کیا کر سکتا ہے اور تو ہے ہی کیا۔ میں نے اعوذ صرف اس واسطے پڑھی ہے کہ میرے مالک کا حکم ہے۔

وساوس کا علاج

(اس کے بعد فرمایا) وساوس کا علاج یہی ہے کہ شیطان کو کہہ دے کہ جا تو جو چاہے کر۔ جب وسوسہ میں گناہ نہیں تو میں ان کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

آں خداونداں کہ رہ طے کردہ اند　　گوش بابانگ سگاں کے کردہ اند (۳)

شاہ جہان پور میں ایک وعظ میں میں نے یہی کہا تھا، تو ایک آدمی دوسرے دن آیا، بہت دعا دینے لگا اور بہت خوش ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں ہر روز ہزار بار درود شریف پڑھتا تھا مگر رات کو گوہ، موت، کتے، خنزیر اور بری بری چیزیں نظر آتی تھی اور جس دن نہیں پڑھتا اس دن خیر ہوتی تھی۔ اس وجہ سے نہایت

---

(۱) اس کا قابو تو ان ہی لوگوں پر ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں" سورۃ النحل: ۱۰۰ (۲) آبادی سے دور ایک غار میں رہتے تھے (۳) "وہ لوگ جو راستہ طے کر رہے ہیں کتوں کی آواز پر کان نہیں لگاتے"۔

پریشان تھا اور خیال ہوتا تھا کہ درود چھوڑ دوں۔ آپ کے وعظ سننے کے بعد میں نے شیطان سے کہہ دیا کہ تو خواہ کچھ بھی کر، خواہ گوہ(۱) میرے منہ میں ڈال دے تب بھی میں درود نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد میں نے خوب درود شریف پڑھا، کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس واسطے جی نہایت خوش ہے۔

وباء میں اذان دینے کا حکم

(اور فرمایا) طاعون چونکہ من وخز الجن ہے(۲) اور جن وبھوت وغیرہ اذان سے بھاگ جاتے ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: اذا تغولت الغیلان نادی بالاذان(۳) ان دونوں حدیثوں کو ملا کر بعض نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ طاعون کے موقع پر اذان کہی جائے۔ میں ان لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر اذان پنجگانہ کافی ہے تو دوسری اذان کیوں کہتے ہو۔ اگر وہ کافی نہیں اس لیے کہ اس کے ختم پر پھر جن چلے آویں گے تو دوسری بھی کافی نہ ہوگی، کیونکہ جب اذان کہو گے جن چلے جائیں گے، جب ختم کرو گے پھر واپس آجائیں گے۔ پھر فائدہ ہی کیا۔ نیز حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب غول متشکل ہوں اور تم کو نظر آئیں تو اس وقت اذان کہو اور طاعون میں چونکہ معلوم نہیں ہوتے اور نظر نہیں آتے تو اذان بھی اس حدیث کا مدلول نہ ہوگی۔

مقام طاعون میں جانے سے مفسدہ

(اس جگہ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا) کہ جب طاعون جہاد کی طرح ہے تو طاعون میں جانا بھی جائز ہوتا، بلکہ ثواب ملتا جیسے جہاد میں جانا۔ تو پھر طاعون کے موقع پر جانا کیوں جائز نہیں (جواب عنایت فرمایا) کہ یہ سوال کام کا ہے، جواب یہ ہے کہ جہاد کے موقع پر جانا اس واسطے جائز بلکہ اولیٰ ہے کہ کفار کے دفع میں مفید ہے اور طاعون کے موقع پر کچھ مفید نہیں۔ اس واسطے جانا جائز نہیں ہے کہ عبث ہے (ایک اہل

---

(۱) پاخانہ (۲) "جب دیو پریت کا غل غپارہ ہو تو اذان پکارو" مجمع الزوائد: ۱۰/ ۱۳۴ (۳) جنات کی ایذا اور طعن سے ہے۔

علم نے عرض کیا) کہ مقام طاعون میں جانے کا بھی ایک فائدہ ہے، وہ یہ کہ شیطان کا حوصلہ پست ہوگا کہ یہ ایسے نڈر ہیں کہ ایسی جگہ آ گئے (فرمایا) اس کا جواب پہلی تقریر میں نہیں دیا تھا، اب دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ مقام طاعون میں جانے کی صورت میں مفسدہ بھی ہے اور مصلحت بھی اور مفسدہ (۱) و مصلحت جب دونوں جمع ہوں تو مصلحت کی رعایت نہیں کی جاتی، بلکہ مفسدہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے (اگر مطلق مصلحت کا لحاظ کیا جاوے تو ہر معصیت جائز ہونا چاہئے، کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ مصلحت ضرور ہے اور وہ مفسدہ یہ ہے کہ ایسی جگہ جانا صورۃً تاجرأت علی اللّٰہ اور انفاء نفس فی التہلکہ جیسا کہ جب جہاد میں بھی اسباب موجود نہ ہوں اور ہلاکت کا خطرہ غالب ہو تو فقہاء نے جانا منع لکھا ہے، کیونکہ اگر کوئی فائدہ بھی ہو مگر مضرت کا گمان غالب ہے اور اعتبار مفسدہ کا ہوتا ہے اور اسی سبب سے فقہاء نے لکھا ہے سلطان جائر اگر مسلمان ہو تو اس کو تو خوف قتل میں بھی تبلیغ جائز ہے اور اگر کافر ہو تو اس کو جائز نہیں، کیونکہ اول صورت میں فائدہ ہے۔ چونکہ سلطان جائر مسلم ہے اس لیے اس کے دل پر بعد میں اس کا اثر ضرور ہوگا اور کافر کے دل پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ تو کافر کی تبلیغ میں فائدہ نہ ہوا مسلم کی تبلیغ میں فائدہ ہوا۔

طاعون میں دو حیثیتیں

اس ارشاد سے احقر کا ذہن اس طرف گیا کہ طاعون میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جہاد کے مشابہ ہے، کیونکہ شیاطین کا اثر ہے اور وخز من الجن (۲) ہے، اس لحاظ سے جہاں پر طاعون ہو وہاں سے فرار حرام ہے اور دوسری حیثیت یہ کہ کفار اور عصاۃ کے لیے ایک گونہ عذاب ہے، جیسا کہ ابتداء میں بنی اسرائیل کے لیے طاعون عذاب ہو کر آیا تھا۔

---

(۱) خرابی (۲) "جن کا طعن" المستدرک للحاکم ۱/ ۵۰۔

خلاصہ کلام

تو اس دوسری حیثیت پر لحاظ کرتے ہوئے جس مقام پر طاعون ہو وہاں جانا صورۃً جرأت علی اللہ ہے کہ حق تعالیٰ کے عذاب کی کچھ پروا نہیں کرتا، حالانکہ موقع عذاب سے دور رہنا اور بچنا مطلوب شرعی ہے۔ چنانچہ عاد وثمود کے مواقع عذاب میں جانے سے ممانعت ہے اور اگر بضرورت جانا پڑے تو وہاں سے جلدی روتے ہوئے نکل جانا چاہئے۔ وکذا ورد فی بطن محسر انه صلی اللّٰه علیه وسلم اسرع المرور فیها واللّٰہ اعلم (۱) تو اس سے معلوم ہوا کہ طاعون کے مقام پر نہ جانا جائز نہ وہاں سے بھاگنا جائز (از جامع)

(۱) "ایسے بطن محسر کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے گزر گئے، واللہ اعلم"۔

تمت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمارے ملک سے طاعون کی طرح کی بیماری کورونا کو ختم فرمادیں اور حضرت تھانویؒ نے اس کے دفعیہ کے لیے پانچ سو مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا تجویز کیا ہے سب لوگ اس کا اہتمام کریں۔

خلیل احمد تھانوی
۲۱/۱۲/۲۰۲۰

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ گذشتہ رمضان میں جامعہ نے طلباء حفظ و ناظرہ کے لئے ایک آن لائن قرآن کریم کے مسابقہ کا اہتمام کیا۔ جس میں 78 طلباء نے شرکت کی، پہلا مرحلہ بحمد اللہ تعالی اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ 19 طلباء نے اس میں امتیازی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور پوزیشن حاصل کر کے انعام کے حقدار قرار پائے، نقد انعام کے ساتھ جامعہ کی طرف سے میڈل بھی دیئے گئے۔ مسابقہ کے مزید پانچ مراحل ابھی ہونے ہیں جن کی ترتیب و تنظیم سے متعلق جامعہ کے فیس بک پیج پر اپڈیٹ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

۲۔ جامعہ ہذا میں نئے تعلیمی سال 1442-1443 بمطابق 2021-2022 کے داخلے جاری ہیں۔

۳۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کی نشر و اشاعت کا سلسلہ بحمد اللہ تعالی جاری ہے، ادارہ اشرف التحقیق میں ان مواعظ کی کمپوزنگ اور دیگر مراحل طے کئے جاتے ہیں۔ ان کی اشاعت میں اگر کوئی صاحب خیر حصہ لینا چاہتا ہے تو ادارہ اشرف التحقیق سے رابطہ کر کے اس کار خیر میں حصہ لے کر اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنا سکتا ہے۔

طلباء دورہ حدیث کے لئے عظیم خوشخبری

شیخ المحدثین والمفسرین علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہ کے درس بخاری شریف کی نادر و نایاب تقریر جو کہ حضرت مولانا اسعد تھانوی دامت برکاتہم نے اپنے زمانہ طالبعلمی میں قلم بند فرمائی تھی، تین جلدوں میں مرتب فرمادی ہے، پہلی جلد میں حجیت حدیث مع تدوین وکتابت حدیث کی عمدہ مباحث کے ساتھ کتاب الوحی سے کتاب الحیض تک کی تقریر دلپذیر بھی جمع ہے۔

کتاب میں متن حدیث، ترجمہ اور مولانا ادریس صاحب کی تقریر کے ساتھ نوٹ بھی تحریر فرمائے ہیں، جن میں راویوں کے حالات اور مقام پر بھی کام کیا ہے۔ طلباء دورۂ حدیث واساتذہ کرام کے لئے یہ نادر تحفہ ہے۔

کتب خانہ جامعہ اشرفیہ (والس روڈ، سکھر) سے حاصل کی جاسکتی ہے، طلباء کو چالیس فیصد خصوصی رعایت دی جائے گی، جلد اول چھپ کر آگئی ہے، جبکہ دوسری اور تیسری جلد زیر طبع ہیں، بہت جلد مارکیٹ میں دستیاب ہوں گی۔

تقریر بخاری شریف

ملنے کا پتہ

کتب خانہ جامعہ اشرفیہ، والس روڈ، سکھر، سندھ)
یا اپنے قریبی کتب خانے سے طلب کریں۔

فون نمبر : 0092-71-5622993

واٹس ایپ : 0092-312-3335813

نیز ادارہ اشرف التحقیق دار العلوم الاسلامیہ سے قیمتاً کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

تعارف

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور

علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے ایما پر قاری سراج احمد ؒ کی قائم کردہ دین کی وہ عظیم درس گاہ ہے جو ۱۹۔۔ء سے مصروف خدمت ہے۔

اب یہاں الحمد للہ تجوید وقراءات کے ساتھ دورہ حدیث تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق تعلیم ہو رہی ہے۔ ادارہ کے نصاب تعلیم کو وفاق المدارس کے نصاب میں اس طرح مدغم کیا گیا ہے کہ طالب علم ثانویہ عامہ کے ساتھ میٹرک اور تجوید بروایت حفص کی تعلیم مکمل کرلے۔ ثانویہ خاصہ کے ساتھ ایف۔ اے / آئی کام اور قراءات سبعہ مکمل ہو جائیں۔ اور عالیہ کے دو (۲) سالوں میں قراءات عشرہ اور بی۔ اے کی تعلیم مکمل کرلے۔ اس کے بعد عالمیہ (دورہ حدیث) کا نصاب مکمل کرکے ایک طرف عالم بنے تو ساتھ ہی قراءات عشرہ کا بہترین قاری ہو اور عصری تعلیم میں کم از کم بی۔ اے ہو۔ اور طالب علم کو جامعہ کی اسناد تجوید وقراءات کے ساتھ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کی سندات بھی مل جائیں۔

طلباء کا داخلہ انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ششماہی اور سالانہ امتحانات تحریری لیے جاتے ہیں اور سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام ہوتا ہے جبکہ میٹرک اور ایف۔ اے / آئی۔ کام کا امتحان لاہور بورڈ کے تحت دلوایا جاتا ہے۔ درس نظامی متوسطہ سے دورہ حدیث تک حفظ وناظرہ وتجوید وقراءات وعشرہ، عصری علوم کی ایف اے تک تعلیم اور تحقیق وتصنیف نیز انتظامی امور کیلئے کل ایک سو بارہ (112) افراد کا عملہ مصروف خدمت ہے۔

اس وقت تقریبا 1310 طلباء حفظ قرآن مجید، تجوید وقراءات اور مکمل درس نظامی بشمول دورہ حدیث شریف مع عصری علوم کی تکمیل وتعلیم میں مصروف ہیں۔ اور ہر سال سینکڑوں طلباء حافظ، قاری اور عالم کی سندات حاصل کرتے ہیں۔

ان میں سے 715 طلباء کے قیام وطعام، نقد وظائف، درسی کتب مہیا کرنے اور علاج معالجہ کی سہولت کی ذمہ داری دار العلوم پر ہے۔ الحمد للہ درس نظامی کے سال اول سے دورہ حدیث تک تمام طلباء حافظ قرآن ہیں۔

جامعہ کی طرف سے ہر ماہ "ماہنامہ الامداد" کے ذریعہ دینی معلومات پر مشتمل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کا ایک وعظ یا علماء دیوبند کا کوئی ایک کتابچہ شائع کرکے تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق میں ماہر علماء احکام القرآن کی تدوین کا کام مکمل کرچکے ہیں جس کی تیرہ (۱۳) جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

نیز تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری کی نو جلدیں طبع ہو چکی ہیں بقیہ پر کام جاری ہے "جمیل الفتاویٰ" اور بعض دوسرے تحقیقی مسائل کی تدوین وترتیب میں علماء مصروف ہیں۔

PS/CPL-38

ماہنامہ الامداد لاہور

جون 2021

ہر درجہ میں نماز ظہر سے قبل امت مسلمہ کے لئے روزانہ دعاؤں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جامعہ کا کوئی سفیر چندہ کے لئے نہیں۔ نہ جمعہ وعیدین یا جلسہ کے اجتماعات میں چندہ کی اپیل کی جاتی ہے۔

البتہ جو احباب مدرسہ کو ماہانہ عطیات دیتے ہیں ان سے وصولی کے لئے محصل مقرر ہے۔ حکومت کے کسی ادارہ سے کسی قسم کی مالی امداد نہیں لی جاتی۔ اگر آپ اپنا تعاون خود نہ پہنچا سکیں تو مدرسہ میں اطلاع کردیں محصل جا کر لے آئے گا۔

اس وقت ماہانہ اخراجات تقریباً ترپن لاکھ اٹھارہ ہزار نو سو چار (5318904) روپے ہیں۔

یہ تمام مصارف محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے زکوۃ وصدقات اور عام عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

آپ بھی اس عظیم صدقہ جاریہ میں نقد وجنس گندم، چاول وغیرہ کی صورت میں بھرپور حصہ لے کر اپنے والدین، اعزہ اور اولاد کے لئے ذخیرہ آخرت فراہم کیجئے۔

الحمدللہ دارالعلوم تعلیمی، تحقیقی اور تبلیغی خدمات میں روزافزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت دارالعلوم الاسلامیہ سات مختلف برانچوں میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

لیکن اس کے باوجود جگہ کی قلت کام میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جس کے حل کے لئے شہری آبادی سے قریب تر بڑی جگہ کی تلاش جاری ہے۔ بڑی جگہ کے لئے بڑے وسائل کی بھی ضرورت یقینی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں جامعہ دارالعلوم سے محبت رکھنے والے حضرات جگہ کی نشاندہی اور وسائل کی فراہمی میں مقدور بھر حصہ لیں گے۔

مجلس منتظمہ ومہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

مرکزی درسگاہ ۲۹۱ ۔کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 35422206-35422213

دارالعلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی چرچ روڈ لاہور۔ فون: 37353728

دارالفلاح عباس بلاک مصطفیٰ ٹاؤن لاہور۔ فون: 35410311

مدرسہ فاروق اعظم گلشن راوی لاہور

جامع مسجد رضا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

مسجد ابوبکر راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

معراج النساء سکول، نتھے خالصہ مانگا، ضلع قصور فون: 0333-4664165 0301-4099095

1- جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کا آن لائن بینک اکاؤنٹ نمبر 6010049533100010
دی بینک آف پنجاب کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور برانچ کوڈ (0060)

2- 0110-557-7 یو۔بی۔ایل لٹن روڈ برانچ لاہور (برانچ کوڈ 1007)

Design & Compose: Abdul Nasir JamalChitrali Idara Ashraf-ul-Tahqeeq